ISSN 2320-8600

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

اکتوبر - نومبر - دسمبر 2023ء

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات ساڑھے تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
فہو العون المجیب وولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المُجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : ربیع الثانی — جمادی الاُخریٰ ۱۴۴۵ھ

ماہ : اکتوبر — دسمبر ۲۰۲۳ء

جلد نمبر ٦٣ ✦ شمارہ نمبر ۴

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

زرتعاون

فی شمارہ	:	-/50 روپے
سالانہ	:	-/200 روپے
سادہ ڈاک	:	-/250 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/400 روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

سرکولیشن منیجر : سید صہیب رضوی

مراسلت وترسیل زرکا پتہ

منیجر

رابطہ : 9835654330 -91+

"المجیب" دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Website : http://khanquahmujeebia.org

Cell No. : +91-7250433562, 7903953313

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ • پھلواری شریف پٹنہ •

فہرست مضامین

• **لمعات**	ظفر حسنین	۳

مضامین و مقالات

• پیغام	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۶
• پیغام	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۱۲
• مکتوبات مخدوم حسام الدین مانک پوری — ایک مطالعہ	مولانا محمد عاصم قادری	۱۴
• علامہ سید سلیمان ندوی اور ان کے خانوادہ کے بزرگان....	مولانا طلحہ نعمت ندوی	۲۴
• حقیقتِ زکوٰۃ — انسانی ہمدردی کی عملی تعلیم	مولانا شاہ محمد عزالدین قادری پھلواروی ؒ	۲۸
• گفتگو سے متعلق قرآن کی اخلاقی تعلیمات	مولانا طفیل احمد مصباحی	۳۹
• دیوان فرد دفتر دوم کا ایک اہم حصہ — قطعات تواریخ	مولوی سید محمد یمین اللہ قادری	۴۶
• ایران کا ایک علمی سفر (قسط دوم)	ڈاکٹر عارف نوشاہی	۶۷

ادبیات

• قند پارسی	حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادری ؒ	۸۱
• نعت شریف	ترجمۂ منظوم: مولانا محمد عاصم قادری	۸۳
• مبارک باشد	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۸۵
• آہ! ڈاکٹر امام اعظم آہ!	شکیل سہسرامی	۸۶
• **کوائف و حالات**	ادارہ	۸۷

لمعات

• ظفر حسنین

فلسطین کی سرزمین شہداء کے خون سے لالہ زار ہے۔ روز اس پر بم برسائے جارہے ہیں، خواتین، چھوٹے معصوم بچے اور عام شہری ہزاروں کی تعداد میں شہید ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ خدا جانے یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ کوئی ان کی داد و فریاد سننے والا نہیں ہے۔ مسلم ممالک زبانی بیانات دے کر خاموش بیٹھے ظلم و غارت گری کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ امریکہ اور مغربی ممالک سے تو پہلے بھی کوئی امید نہیں تھی کیونکہ وہ شروع سے ہی ظالم و غاصب اسرائیل کے ہمنوا رہے ہیں۔ اس قتل عام میں بھی اسرائیل کی حمایت کر رہے ہیں۔

جب سے فلسطین کو اسرائیل کا نام دے کر یہودیوں کے قبضہ میں دیا گیا ہے اس وقت سے اہل فلسطین پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑا جارہا ہے۔ غاصب حکومت کے حکم پر ان کی بستیوں کو اجاڑ کر کالونیاں بنائی جاتی ہیں جن میں غیر مقامی یہودیوں کو آباد کیا جاتا ہے۔ بلڈوزر سے مقامی فلسطینیوں کے مکانات اور باغات گرا دیے جاتے ہیں۔ پورا فلسطین صہیونیوں کے قبضہ میں ہے۔ غزہ کا چھوٹا سا علاقہ جس میں فلسطینیوں کی گنجان آبادی ہے وہ علاقہ صہیونیوں کے نشانے پر رہتا ہے۔ دسیوں سال سے اس کو چاروں طرف سے گھیر کر ایک بڑا قید خانہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پوری مغربی دنیا نے اس ظلم و بربریت کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہے۔ جب اقوام متحدہ میں اس کے خلاف تجویز پیش کی جاتی ہے تو امریکہ اس کو ویٹو کر دیتا ہے۔

فلسطینیوں کی حماس نامی تنظیم نے اس ظلم و ستم اور مسلسل بربریت کے خلاف اپنی آواز اٹھائی اور احتجاج کرنا شروع کیا تو اس کو امریکہ اور مغربی ممالک نے دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا۔ جب کہ دنیا جانتی ہے کہ فلسطینیوں پر ریاستی دہشت گردی کون کر رہا ہے اور کون اس دہشت گردی کی تائید و حمایت کر رہا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مغرب صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے۔

آخر مجبور ہو کر ۷/اکتوبر کو حماس نے جرأت و شجاعت کی مثال قائم کرتے ہوئے اسرائیل کے مقبوضہ علاقہ میں زمینی و

آسمانی دونوں جانب سے پہنچ کر حملہ کیا اور فلسطینیوں کے مستقل قتل عام کا جواب دیتے ہوئے سینکڑوں کی تعداد میں یہودیوں کو یرغمال بنا کر لے آئے ۔صیہونی حکومت جس کو اپنی فوجی طاقت وقوت پر ناز تھا اور جس کی خفیہ ایجنسی موساد کا شمار دنیا کی مشہورترین ایجنسیوں میں ہوتا ہے وہ حماس کی اس ایمانی جرأت پر ششدر رہ گئی اور اس کی فوجی طاقت وقوت اور موساد کی شہرت کی پوری حقیقت دنیا کے سامنے آشکارا ہوگئی ۔ایمانی جذبہ وہمت کے آگے باطل کا یہی حال ہوتا ہے۔

پھر اس کے جواب میں امریکہ اور مغربی ممالک کی تائید وحمایت سے قابض اسرائیل نے فلسطینی عوام پر ظلم وستم کی انتہاء کردی ،جنگی طیاروں، میزائل اور راکٹ سے غزہ پر بے تحاشا بمباری کی اور ابھی سلسلہ جاری ہے ۔تصاویر اور ویڈیو کے مطابق غزہ کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا گیا ہے ۔اب تک پندرہ ہزار سے زیادہ بے گناہ فلسطینی شہری، خواتین اور معصوم بچے شہید ہو چکے ہیں ۔شہیدوں کے خون سے ارض فلسطین رنگین ہو رہی ہے ۔غزہ پہلے سے ہی محصور ہے، اب اس میں کھانے، پانی، دوا اور تمام انسانی ضروریات کی چیزوں کی درآمد پر بھی قابض اسرائیلی حکومت نے پابندی لگا دی ہے ۔ہوسپٹلوں پر بمباری ہو رہی ہے ۔ایمبولینس پر حملے کئے جا رہے ہیں ۔

فلسطینیوں کے اس قتل عام سے ساری دنیا چیخ اٹھی ہے ۔مسلم ممالک کے عوام صہیونیوں کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں ۔خود یورپ کے امن پسند عوام جو کبھی کھل کر فلسطین کی حمایت نہیں کرتے وہ بھی فلسطینی جھنڈا لئے سڑکوں پر اتر کر احتجاج کر رہے ہیں ۔لیکن یورپ کی حکومتیں اسرائیل کی حمایت کر رہی ہیں اور معصوم فلسطینی شہریوں اور بچوں پر ہو رہے مظالم پر مہر بہ لب ہیں ۔

اس وحشیانہ حرکت پر متعدد ممالک نے اسرائیل کی شدید مذمت کی ہے اور اس سے سفارتی تعلقات ختم کر لئے ہیں ۔کلیسائے روم کے پوپ اعظم نے بھی جنگ بندی کی اپیل کی ہے ۔مگر بے عمل مسلم ممالک خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں ۔لبنان کی حزب اللہ اور یمن کے حوثیوں کی طرف سے کچھ عملی اقدام ہوئے ہیں ۔قطر کی کوششوں سے چار چھ روز کے لئے جنگ بندی کی گئی اور دونوں طرف سے قیدیوں کا تبادلہ کیا گیا۔اس کے بعد پھر حملے اور عوام پر بمباری شروع ہوگئی ہے ۔

حماس ان سب مظالم کے باوجود اسرائیلی فوجوں کا مقابلہ کر رہا ہے ۔ہزاروں اسرائیلی فوجیوں اور سینکڑوں ٹینکوں اور گاڑیوں کو تباہ کر چکا ہے ۔حماس نے اسرائیلی عوام پر حملے نہیں کئے اور قیدیوں کو بھی بہت اچھے سے رکھا جس کا اعتراف خود قیدی چھوٹنے کے بعد کر رہے ہیں ۔لیکن اسرائیل کی قابض حکومت حماس کا کچھ بگاڑ نہیں پا رہی ہے تو وہ عوام پر بمباری کر رہی ہے ۔یہ اس کی بزدلی کی واضح علامت ہے ۔

تاریخ میں فلسطین کی سرزمین شہیدوں کے خون سے لالہ زار نظر آتی ہے ۔بیت المقدس پر جب صلیبی فوجوں نے قبضہ کیا تو ان کی وحشت وبربریت کا یہ عالم تھا کہ فلسطینی مسلمانوں کے قتل عام کی وجہ سے صلیبی فوجوں کے گھوڑوں کے ٹخنے خون میں

ڈوبے ہوئے تھے۔لیکن یہ بھی تاریخ رہی ہے کہ مسلمانوں کا جب بھی قبضہ ہوا وہاں کوئی خون نہیں بہایا گیا۔چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب پہلی بار بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو صلح وامن کے ساتھ عیسائیوں سے لیا گیا تھا۔اسی طرح صلیبی قبضہ کے نوے سال بعد جب صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو اس وقت بھی کسی انسان کا خون نہیں بہایا گیا۔اللہ تعالی فلسطینی مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور ان کے جوش وجذبہ اور جرأت ایمانی کو قائم و دائم رکھے۔آمین۔

اس وقت فلسطینی عوام پر صہیونیوں کے جو مظالم ہو رہے ہیں اور ایمانی جرأت و جذبہ سے سرشار فلسطینی اس کا جو مقابلہ کر رہے ہیں اس پر علامہ اقبال کے اشعار یاد آرہے ہیں۔علامہ اقبال نے فلسطینی عربوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

پیغام

آل انڈیا ملی کونسل بہار اور ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن پٹنہ کے اشتراک سے ’’قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر‘‘ کے مرکزی عنوان کے تحت بہار اردو اکادمی میں ۵؍نومبر ۲۰۲۳ء اتوار کو یک روزہ سمینار منعقد ہوا، ذمہ داران سمینار کی دعوت وفرمائش پر جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ نے ایک گراں قدر پیغام تحریر فرمایا، اس پیغام کو دارالعلوم مجیبیہ کے استاذ مولانا رمضان علی صاحب نے پڑھ کر سنایا، جناب حضور مدظلہ العالی نے مجلہ المجیب میں اشاعت کے لئے اضافہ کرکے ادارہ کو مرحمت فرمایا، سرپرست مجلہ کا ادارہ نہایت ممنون ومشکور ہے۔ یہ پیغام قارئین المجیب کے علمی ذوق میں اضافہ کے لئے پیش ہے ——(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن عزیز حضرت نبی کریم ﷺ کا وہ معجزہ ہے جس سے رہتی دنیا تک طلبگاران ہدایت کی تاریک راہیں منور ہوتی رہیں گی، متلاشیان حق اس سے مستفیض ہوتے رہیں گے، قرآن عزیز انسانی ضرورت کا ایک مکمل دستور ہے، جس میں ہر ضرورت کا حل بیان فرمایا گیا ہے، کہیں صراحت کے ساتھ اور کہیں اشارہ کے طور پر اس میں ہر ایک شئ کا شافی بیان موجود ہے؛ جیسا کہ حق تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ —— (النحل، آیت: ۸۹)

ترجمہ : ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے، جس میں ہر چیز کا شافی بیان موجود ہے۔

ایک جگہ فرمان ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ —— (الانعام، آیت: ۳۸)

ترجمہ : ہم نے کتاب (قرآن) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے۔

قرآن عزیز جہاں حیات انسانی کے ہر ایک پہلو کے سلسلے میں رہنمائی کرتا ہے، وہیں وہ شرف وبزرگی والی ایک ایسی کتاب ہے، جو بعینہ اللہ تعالی کی یاد اور اس کے ذکر کا ذریعہ بھی ہے، آیت کریمہ ’’صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱‘‘ سے قرآن عزیز

کا بعینہ ذکر ہونا معلوم ہوتا ہے، ذکر کے سلسلہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ — (البقرہ، آیت: ۱۵۲)

ترجمہ: تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں قرآن عزیز اہل اللہ، اہل ذکر اور اصحاب فکر ونظر کی توجہات کا مرکز رہا ہے، ہر زمانے میں قرآن عزیز کی تفسیر وترجمانی ضرورت انسانی کے مطابق کی جاتی رہی ہے، علمائے ربانیین جو حق تعالی کے کلام کی تشریح وترجمانی کے لئے ہمہ وقت قرآن عزیز سے وابستہ رہتے ہیں، طالبین ہدایت کی راہوں میں قرآن عزیز کی مشعلیں فروزاں کئے ہوئے، ان کی کامیابی وکامرانی کے لئے ہمیشہ کوششیں کرتے ہیں، ان کی روحانی اور دلی وابستگی حق تعالی کے کلام سے ایسی ہوا کرتی ہے، گویا وہ حق سبحانہ وتعالی سے محوگفتگو ہوتے ہیں، ان کی ہر ضرورت کا حل خدائے رحیم اپنے حبیب ﷺ پر نازل کردہ اسی قرآن عزیز کے آئینے میں واضح فرمادیتا ہے، اسرار الہی کی معرفت کا یہ مقام علمائے ربانیین اور راسخین فی العلم کو اس لئے حاصل ہوا کرتا ہے؛ کیوں کہ ان کا تدبر قرآن آفتاب نبوت کی شعاعوں سے روشن ومنور ہوا کرتا ہے، خود حضرت رسول اللہ ﷺ اصحاب کرامؓ کے اکثر معاملوں میں منتظر رہا کرتے تھے، کہ خدائے تعالی کی طرف سے احکام کا نزول ہو جائے؛ تاکہ حق تعالی کے ساتھ اس کے بندے کا تعلق اور وابستگی مضبوط وقوی ہو، صحابۂ کرامؓ کی جماعتیں براہ راست حضرت رسول اللہ ﷺ سے مستفیض ہوا کرتی تھیں، آپ نے ان کو قرآن عزیز کے اسرار ورموز کی تعلیم فرمائی، قرآن عزیز سے ہر مسئلہ کو حل کرنا سکھایا، جس کو قرآن مجید میں اللہ تعالی نے "وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ"۔ (البقرہ، آیت: ۱۲۹) سے تعبیر فرمایا ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے معارف واسرار قرآن کا اولین سرچشمہ خلفائے راشدین اور تمام صحابۂ کرام کی جماعت تھی، انہی قدسی تشخصات کے ذریعے مشکوۃ نبوت کی قرآنی روشنی ساری دنیا میں تاباں ہوئی؛ اس لئے اب جو انسانی فکریں علوم نبوت کی تابانی سے درخشاں نہ ہوں، وہ تدبر قرآن کی راہ میں ٹھوکریں کھانے سے محفوظ نہیں رہ سکتی ہیں، کیوں کہ تعلیم کتاب وحکمت کا منبع وماخذ خود قرآن عزیز نے ذات رسالت مآب ﷺ کو قرار دیا ہے جیسا کہ گذشتہ آیت: "وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" سے معلوم ہوا، اس لئے تفسیر بالرائے اور اہل حق کے افکار سے علیحدہ قرآن عزیز کی ترجمانی فکری ضلالت کا ذریعہ بنتی ہیں، قرآن کریم سے صحیح معنوں میں اسی وقت استفادہ ممکن ہے، جب کہ تدبر قرآن، علوم نبوت سے فیضیاب صحابۂ کرام کے آثار اور مسلمات علمائے سالفین کے مطابق ہو، اس نوعیت کا تدبر ہی ہدایت بالقرآن کی راہیں ہموار کرتا ہے۔

اور ایسی ہی فکر کے حاملین کے لئے قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جو قیامت تک کے لئے ذریعہ ہدایت کہی گئی ہے، اسی پر عمل پیرا ہو کر دنیا وآخرت کی فلاح وبہبودگی حاصل ہو سکتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ تعلیم قرآن کے ساتھ اس کے معانی ومفاہیم کو سمجھا جائے۔ یہ ایک واضح حقیقت بھی ہے کہ قرآن فہمی کے لئے ترجمہ قرآن مجید اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اس کا اولین نقش خود عہد رسالت تھا، حضور اقدس ﷺ قرآن کریم کے اولین شارح اور ترجمان ہیں، آپ ﷺ نے قرآن کریم کی ترجمانی اور تفسیر فرمائی، آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ نے قرآن کی تفسیر فرمائی، یوں تو ماہر تفسیر صحابہؓ کی تعداد کثیر تھی؛ مگر اس میں

دس صحابہؓ کو خاص شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، پھر ان میں بھی سب سے زیادہ شہرت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حاصل ہوئی اور ان کو ترجمان القرآن کا لقب عطا ہوا۔

قرآن فہمی کے سلسلہ میں ترجمہ کو اگر چہ اہم حیثیت حاصل ہے؛ لیکن ترجمۂ قرآن خواہ کسی نوع کا ہو، اس میں وہ خوبی کلام واعجاز اور قوت بیان نہیں ہوسکتی جو عربی زبان میں ہے، قرآن عربی زبان میں ہے اور ترجمہ کتنا ہی دلکش ہو بہر حال وہ ترجمہ اور مفہوم ہے، ان اوصاف سے خالی ہے، جو کلام اللہ میں موجود ہیں۔

ترجمۂ قرآن کبھی قرآن کریم کے برابر نہیں ہوسکتا ہے؛ تاہم اس کی ضرورت ناگزیر ہے؛ کیونکہ اس سے پہلے اور اس دور میں مسلمانون کی اکثریت عربی زبان سے ناآشنا ہے ان کو قرآنی تعلیمات اور قرآن کے معانی ومفاہیم سے آگاہ وآشنا کرانے کے لئے ضروری ہے، کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ، ان کی مادری زبانوں میں اسلامی اصول کے مطابق قرآن کے تراجم کئے جائیں، غیر مسلموں کو دعوت دینے اور قرآنی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے ان کی مادری زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کو ذریعہ دعوت بنایا جائے، یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے ترجمۂ قرآن کریم کی طرف ہر دور میں اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق خاص توجہ دی ہے۔

ہندوستان میں باضابطہ قرآن کریم کے ترجمہ کی بنیاد ڈالنے والوں اور اس کو فروغ دینے والوں میں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے فرزند شاہ رفیع الدینؒ، نیز شاہ عبدالقادرؒ ہیں، تفسیر وترجمۂ قرآن کا یہ سلسلہ ہندوستان میں آج بھی جاری وساری ہے، تاریخی روایات کے مطابق ہندوستان میں قرآنی ترجمہ نگاری کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ہی فرمایا، آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا، جو آپ کے دست خاص سے ۱۱۵۰ھ میں مکمل ہوا، اس فارسی ترجمہ کا نام ''فتح الرحمن'' ہے، جس پر فارسی زبان میں ہی مختصر حواشی ہیں، عجمی زبان میں قرآن کریم کا یہ پہلا ترجمہ تھا، جو عوام وخواص میں خوب مشہور ومعروف ہوا، ترجمہ کی زبان نہایت شستہ اور معیاری ہے، یہ ترجمہ دوسرے تراجم کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فرزند حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمے کئے، شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمہ کے ساتھ ''موضح القرآن'' کے نام سے تفسیر بھی لکھی، جو گو مختصر ہے؛ لیکن بعد میں لکھی جانے والی تفاسیر کی بنیاد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی قرآنی خدمات کو ہندوستان کے اہل علم نے ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور انہی اسلاف کی تفسیری خدمات کی روشنی میں کتاب اللہ کے اسرار کو سمجھا، بعد کے اکثر مترجمین ومفسرین نے اسی کو بنیاد بنایا۔

قرآن کریم کی ابدیت وجامعیت کے پیش نظر اس کے نکات کی تشریح وتفسیر پر اب تک دنیا کی متعدد زبانوں میں کتابیں لکھی جاچکی ہیں، ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں مختلف زمانوں میں سیکڑوں تفسیریں لکھی گئیں اور اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے اپنی علمی، ذہنی وفکری سرمایہ صرف کیا، اس ملک میں اردو، بنگلہ، سنسکرت، کشمیری، گجراتی، ہندی، انگریزی وغیرہ

زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم اور تفسیریں لکھی گئی ہیں، جن کی کتابیات کی تیاری بھی متعدد دفاتر کی متقاضی ہے، ہندوستان میں تفسیر نویسی اور قرآنیات پر ہونے والے کام مختلف النوع ہیں، تمام تفاسیر ایک ہی نوعیت کی نہیں ہیں؛ بلکہ وہ مختلف قسم کی ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مکمل قرآن کریم کی ہندوستانی تفاسیر

(۲) قرآن کریم کے بعض اجزاء کی تفاسیر

(۳) قرآن کریم کے منظوم تراجم وتفاسیر

(۴) قرآن مجید کی آیات احکام کی تفاسیر

(۵) تفاسیر قرآن مجید کی ہندوستانی شروح وحواشی وتعلیقات

(۶) (اہل تشیع علماء کے ذریعہ کئے گئے) شیعی علماء کے تراجم وتفاسیر

(۷) قرآن کریم کے قادیانی تراجم وتفاسیر

(۸) عیسائی مفکرین کے قرآنی تراجم

(۹) اہل ہنود کے قرآنی تراجم

البتہ قرآن کریم کی صحیح ترجمانی وہی کہی جاسکتی ہے، جو معلم کتاب وحکمت کی پیغمبرانہ تعلیم کی روشنی سے منور وآراستہ ہو، یہ ایک تحقیقی اور تنقیدی پہلو بھی ہے، خصوصا ہندوستان کے حوالے سے اس پر مزید کام کئے جانے کی ضرورت ہے، صرف صوبائی سطح پر صوبۂ بہار کو دیکھا جائے، تو یہاں ایسے علمائے کاملین ہوئے، جنہوں نے تفسیر وترجمہ کے باب میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، بے شمار مفسرین قرآن تیار کئے ہیں، جن پر تحقیقی کام ہنوز نایاب ہے۔

صوبۂ بہار کی خانقاہ مجیبیہ کے بزرگوں کے سلسلۂ علمیہ میں بھی قرآن عزیز کی خدمات منفرد اور نمایاں رہی ہیں، ہندوستانی سطح پر ملاجیون کی تفسیرات احمدیہ کے بعد صوبۂ بہار میں احکام دینیہ پر لکھی جانے والی گیارہ جلدوں پر محتوی تفسیر، خانوادۂ پیر مجیب کے بزرگ مولانا رحم علی پھلواروی ؒ کا واحد کارنامہ ہے، متاخرین علمائے خانقاہ مجیبیہ میں اورنگ نشین تاج العارفین حضرت امیر شریعت اول بدرالکاملین مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ کی ذات بابرکات درس قرآن کے سلسلہ میں امتیازی حیثیت کی حامل تھی، صوبۂ بہار میں عوامی درس قرآن کی تحریک ان کی ایک اہم کوشش رہی ہے، ان کے حلقۂ درس میں خاندانی افراد، طلبۂ مدرسہ اور عوام الناس کے ساتھ انگریزی حکومت کے مسلم افسران بھی بصد شوق حاضر ہوا کرتے تھے، ان کی سعیٔ پیہم سے عربی وفارسی سے نابلد متعدد افسران وغیرہ قرآن کریم کی تعلیم سے مستفید ہوئے، ان کی صوبۂ بہار میں قرآن عزیز کے ترجمے کی تدریس عوام الناس کے لئے کی جانے والی مساعیٔ جمیلہ کا اولین نقش ہے، "لمعات بدریہ" جو آپ کے علمی، فقہی اور عرفانی

مکاتیب کا مجموعہ ہے، وہ آپ کے درس قرآن کی اولین کوششوں کا ثبوت فراہم کرتا ہے، ۲۲رشعبان ۱۳۴۰ھ کے ایک مکتوب میں مترجم القرآن مولانا فتح محمد تائب جالندھری کو رقیم ہیں:

”....قریب چالیس برس کے گذر ہوگا مجھے خیال آیا کہ بعض اہل قرابت عورتوں کو قرآن مجید کا ترجمہ اس طرح پڑھاؤں کہ ان میں ترجمہ کرنے کا سلیقہ آجائے، قرآن مجید کی تلاوت میں معنی بھی سمجھتی جائیں، اس طرح یہ دوسری عورتوں کو تعلیم کریں۔

میں نے ان کی تعلیم کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ لفظی ترجمہ بتا کر اسے ملانے اور جملہ بنانے کو کہا، جملہ بنانے میں جو روک واقع ہوتا اس کو بتا دیتے، کچھ دنوں بعد مترجم قرآن مجید میں اس کے اور مترجم کے الفاظ کی ترتیب کو دکھاتے اور یہ کہ مترجم نے کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

اس طرح اس کو جملہ بنانے کے حسن وقبح کی اطلاع ہو جاتی، دو تین پارہ کے بعد ترجمہ کرنے کا انداز آگیا تھا ....اس کے بعد.........ایک فارسی خواں نے مجھ سے قرآن شریف پڑھا، پھر ترجمہ اس طرح پڑھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا.........ادھر دو ایک سال سے یہ شغل پھر شروع ہوا ہے، اس وقت بھی قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے والے عربی کے صرف ونحو سے ناواقف فقط فارسی اور انگریزی جاننے والے ہیں، اس سے زیادہ عدالت کے کچہری سے تعلق رکھنے والے اور پھلواری سے کافی کوس دور رہنے والے ہیں، اس سبب سے ہفتہ میں ایک دن یکشنبہ کو ترجمہ پڑھنے کو آیا کرتے ہیں۔ پندرہ پارہ تمام ہوگیا ہے، اب ترجمہ اچھی طرح سے کرتے ہیں، لغات قرآن کے بعض رسالے ان کے پاس ہیں جس سے ان الفاظ کے معنی دیکھ لیا کرتے ہیں، جو پڑھے ہوئے نہیں ہوتے ان کو ترجمہ کرنے کے بعد مختصر مطلب بھی سمجھا دیتا ہوں“۔

محمد بدرالدین

۲۲رشعبان ۱۳۴۰ھ

مکتوب مذکور سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے ذاتی طور پر اور بحیثیت امیر شریعت بہار، عوامی زبان میں ترجمۂ قرآن کے سلسلے میں اہم کام سرانجام دئے ہیں، جن اردو تفاسیر وتراجم قرآن کو بحیثیت امیر شریعت آپ کی تائیدات حاصل رہی ہیں، ان میں مولانا فتح محمد تائب جالندھری کا تفسیری نوعیت کا ترجمۂ قرآن ”خلاصۃ التفاسیر“ ایک اہم اردو قرآنی ترجمہ وتفسیر ہے۔

ایک عام آدمی جو عربی زبان سے نابلد ہے وہ کس شخص کا لکھا ہوا ترجمہ وتفسیر پڑھے؟ یہ اہم سوال ہے۔ کسی ترجمہ وتفسیر کی کتاب کو مطالعہ کے لئے منتخب کرنے سے قبل ایسے شخص کے لئے مناسب ہے کہ اس سلسلے میں وہ کسی عالم دین، معروف روحانی پیشوا اور اپنے شیخ ارادت سے مشورہ کرے پھر اس کی ہدایت و راہنمائی کے مطابق عمل کرے اور مطالعہ کرے اس طرح ترجمہ وتفسیر کے مطالعہ کے بعد قرآن کریم سے اس کا رشتہ مضبوط ہوگا اور کامیابی بھی ملے گی۔ اس سلسلے میں کم عمری کا ایک

واقعہ ذہن میں محفوظ ہے کہ میں عارف باللہ حضور امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، معمولاً خلوت کھلی ہوئی تھی، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کی جارہی تھی اسی اثنا میں حضور علیہ الرحمہ کے ایک ارادت مند نے دریافت کیا کہ حضور! میں کس کا ترجمۂ قرآن پڑھوں؟ حضور امان المستجرین قدس سرہ نے جواب دیا کہ خواجہ حسن نظامیؒ کا لکھا ہوا ترجمہ پڑھو۔

اس سے اندازہ ہوا کہ خواجہ سید حسن نظامی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن حضور امان المستجیرین قدس سرہ کے نزدیک پسندیدہ، معتبر اور قابل استفادہ تھا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساسی کتب کا مطالعہ کرنے سے قبل اکابر سے مشورہ لینا بہتر ہے۔

بہر حال! علوم قرآن کی اشاعت کے سلسلے میں تفسیر کے ساتھ ترجمۂ قرآن کی مہتم بالشان خدمات خصوصا ہندوستان میں نہایت اہم رہی ہیں، ہر زمانے کی ضرورت کے مطابق قرآن کے پیغام کو عام کرنا اہل علم کا منصبی فریضہ ہے، یقیناً اس سلسلے میں کی جانے والی تمام کوششیں عند اللہ ماجور و مثاب ہونے کے ساتھ خلق خدا کے لئے مفید ترین ہیں۔

عصر حاضر کی ضرورت مقتضی ہے کہ قرآن عزیز کے سلسلے میں تمام علمائے حق اور اصحاب فکر و نظر یکجا ہو کر قرآن مجید کی اشاعت میں تمام علمی اختلافات سے صرف نظر، خاص طور پر قرآن مجید کے پیغام انسانیت اور خلق خدا کی ضرورتوں کے قرآنی حل کی تلاش و تفحص اور اس کی اشاعت و ترویج میں ہمہ وقت کوشاں رہیں۔

مبارکباد کے مستحق ہیں ”ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن“ پٹنہ اور ”آل انڈیا ملی کونسل“ بہار کے سربراہان و ذمہ داران، جنہوں نے آپسی اشتراک سے، وقت کی ضرورت پر لبیک کہتے ہوئے ”قرآن مجید کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر“ کے مرکزی عنوان پر جاری یہ سمینار برگذار کیا ہے، اللہ تعالی سے دست بہ دعا ہوں کہ وہ اس منعقدہ سمینار کو شرف قبولیت بخشے اور اس کے دوررس نتائج برآمد ہوں، جو خلق خدا کے لئے مفید و موثر ثابت ہوں، نیز اس پیغام کے ذریعہ اصحاب علم کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ خاص طور پر صوبہ بہار کی عربی، فارسی اور اردو تفسیروں پر تحقیقی کام کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تفاسیر کے عوامی پہلوؤں کو رسالہ اور مضامین کی شکل میں رسائل و جرائد میں پیش کرنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ علمائے ہند کی تفسیری خدمات سے موجودہ ہندوستان کی نئی نسل جو عربی و فارسی وغیرہ سے نابلد ہے، وہ مستفید ہو سکے۔

شکراً جزیلاً
والسلام
محمد آیت اللہ قادری
خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

پیغام

''انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی'' کے زیرِاہتمام دوروزہ قومی کانفرنس بہ عنوان ''مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ـــ شخصیت، علمی سرمایہ اور قائدانہ نقوش'' منعقدہ بتاریخ ۲۵؍۲۶؍نومبر ۲۰۲۳ء کے لئے جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم (چیئرمین) وجناب شاہ اجمل فاروق ندوی (کنوینر کانفرنس) زید مجدہما کی دعوت پر سرپرست مجلہ جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے ایک وقیع پیغام ارقام فرمایا تھا، جس کو افادۂ عامہ کی خاطر قارئین المجیب کی خدمات میں پیش کیا جاتا ہے ـــ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

عالم اسلام کی جن عظیم شخصیتوں نے گذشتہ چند ماہ وسال میں اس جہان فانی کو الوداع کہا ہے، ان میں ایک حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی بھی ہے، مولانا علیہ الرحمہ خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ملکی سطح پر ایک اہم ملی رہنما اور مغتنم مقتدا تھے، ان کی جامع کمالات شخصیت موجودہ دور کے رجال صالحین کی ایک اہم کڑی اور ندوۃ العلما کی افراد ساز شخصیتوں میں غایت شان مقبولیت کی حامل تھی، وہ انکساری، تواضع، اعتدال، توکل، خشیت وللہیت، پرہیزگاری اور بے نیازی جیسے اوصاف سے حد درجہ متصف تھے، علمی جامعیت اور عرفانی خصوصیت سے مزین وآراستہ، ان کا وجود ندوۃ العلما اور خاندانی سلسلۂ رشد وہدایت کے ساتھ ملی سربراہی میں نہایت مسعود تھا، ایک عرصۂ دراز تک ان کی سرپرستی ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل رہی، ملک کی سیاسی ہنگامہ آرائی میں مسلم قیادت کو مولانا علیہ الرحمہ نے جس خوبی کے ساتھ نبھایا اور اس کو تقویت بخشی، وہ ایک قابل ستائش عمل ہے، بلاشبہ ان کی حیات کے قائدانہ اور عالمانہ نقوش اور ان کی علمی باقیات، ایک نمونۂ عمل اور لائق استفادہ سرمایہ ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کی نگارشات اور ان کی شخصیت کے علمی وعملی نقوش، درحقیقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تعلیم وتربیت کے اثرات اور ان کی علمی وعرفانی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ صحیح معنوں مولانا علی میاں صاحبؒ کے معنوی فرزند اور ان کے حقیقی جانشیں تھے، حضرت علی میاںؒ کی صحبت کا رنگ ان کی شخصیت میں نمایاں تھا؛ اس وجہ سے ان کی علمی وعملی زندگی کا دائرہ

بھی بہت وسیع رہا، وہ اپنی شخصیت میں شیخ دائرہ بھی تھے اور سربراہ ادارہ بھی، ملک کی مختلف تنظیموں کے سرپرست بھی رہے، ان کی شخصیت ایک روح رواں کی حیثیت رکھتی تھی، ندوۃ العلماء، دائرہ شاہ علم اللہ اور متعدد دینی اداروں کے ساتھ، مسلم پرسنل لا بورڈ اور رابطہ ادب اسلامی وغیرہ کی قیادت فرماتے ہوئے، مولانا علیہ الرحمہ نے بڑی اہم خدمات سرانجام دی ہیں، علمی و عملی مجالس اور تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی متعدد عملی کاوشیں یادگار چھوڑی ہیں، ان کے تحریری اسلوب میں دعوتی انداز، اصلاحی فکر کا غلبہ پایا جاتا ہے، ان کی تحریریں متنوع موضوعات پر محیط ہیں، درس قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب عربی، اسلامیات، صحافت وغیرہ پر ان کی علمی باقیات اور عملی کارناموں کی سندیں موجود ہیں، سیرت نبوی کے حوالے سے ''نقوش سیرت'' اور ''رہبر انسانیت'' نامی دو اہم اور قابل مطالعہ کتابیں ان کی علمی یادگار اور ذات رسالت مآب ﷺ سے ان کی قلبی و روحانی وابستگی کی دلیل ہیں، ان دونوں کتابوں میں حیات نبوی ﷺ کے اہم پہلوؤں، نیز موخر الذکر کتاب میں جغرافیائی حوالے سے حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش کو اس دل نشیں انداز میں محفوظ کیا گیا ہے کہ عوام الناس کے دل و دماغ پر سیرت نبوی کے نقوش آسانی کے ساتھ منقش ہو جاتے ہیں اور یہ خیال دل و دماغ پر چھا جاتا ہے کہ ؎

بمقامی کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

راقم الحروف کو اس کتاب کا نسخہ اپنے کسی سفر میں خود مولانا علیہ الرحمہ نے خانقاہ مجیبیہ آمد پر ازراہ شفقت عنایت فرمایا تھا، کتاب مذکور کے مطالعہ سے ان کی سہل اندازی کے ساتھ علمی تعمق کا اندازہ ہوتا ہے۔

بہرحال! حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی علیہ الرحمہ کی شخصیت بڑی خوبیوں کی جامع تھی، ان کی زندگی کے علمی و عملی نقوش قابل مطالعہ اور شائستۂ عمل ہیں، ان کی شخصیت سے متعلق کارناموں کی اشاعت یقیناً نئے ملی رہنماؤں اور طالبین علم و ادب کے لئے ایک موثر کام ہے، اس وجہ سے ان کے عالمانہ و فاضلانہ تشخص کا اعتراف ایک بامقصد عمل ہے، اس سلسلے میں کی جانے والی کوششیں مولانا علیہ الرحمہ کے لئے ذریعۂ ثواب اور طالبین علم و ادب کے لئے بے حد نافع ہیں، مبارکباد پیش کرتا ہوں ''انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی'' کے فعال ذمہ دار افراد اور ان کی پوری جماعت کو، جو ایسی نابغۂ روزگار شخصیات عالیہ کے تعارف اور ان کی علمی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں، صمیم قلب سے مکرر تبریک پیش ہے ذمہ داران ادارۂ مذکور کی خدمت میں کہ انہوں نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی یہ دو روزہ سمینار برگزار کیا ہے، اللہ تعالی سے امید قوی ہے، کہ اس سمینار کا انعقاد معلمین و متعلمین کے ساتھ مولانا علیہ الرحمہ پر تحقیقی کام کرنے والوں اور ان کی شخصیت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

والسلام
محمد آیت اللہ قادری
خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

مکتوبات مخدوم حسام الدین مانک پوری: ایک مطالعہ

● مولانا محمد عاصم قادری ــــ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

حضرت مخدوم حسام الدین مانک پوری قدس سرہ کی ذات گرامی، اوائل قرن نہم کے نام آور علما اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے باکمال شیوخ طریقت میں مغتنم شمار کی جاتی ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ کے دس اکابر خلفا میں شامل؛ مخدوم اخی سراجؒ کے واسطے سے مخدوم حسام الدین مانک پوریؒ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہندوستان میں مروج ہے، آپ مخدوم اخی سراجؒ کے مرید وخلیفہ شیخ علاء الحق پنڈویؒ کے خلف وجانشیں مخدوم نور قطب عالم پنڈویؒ کے مرید اور ان کے اجل خلیفہ تھے، شیخ کے وصال کے بعد ان کے اولین سجادہ نشیں ہوئے، آباء واجداد بھی نابغۂ روزگار تھے، آپ کا آبائی خاندان نسباً فاروقی ہے، مورث اعلی حضرت شاہ اسماعیلؒ فاروقی تھے، جنہوں نے مانک پور میں سکونت اختیار کی، آپ کے جد امجد مولانا جلال الدینؒ؛ سلطان المشائخؒ کے خلیفہ شیخ محمدؒ کے مرید اور ایک متبحر عالم دین تھے، والد ماجد مولانا خواجہ خضرؒ عظیم عالم، مفتیٔ شرع اور ایک باکمال صاحب توکل بزرگ گذرے ہیں۔

مخدوم حسام الدینؒ کے ابتدائی حالات کے ذکر سے تمام تذکرے خالی نظر آتے ہیں؛ البتہ آپ کی لیاقت علمی وعرفانی کے ذکر خیر سے تقریباً آپ کے ذکر پر مشتمل تمام تذکرے مملو ہیں، سلسلۂ رشیدیہ کا ایک اہم تذکرہ ''وسیلۃ النجات'' از احسن اللہ علویؒ، اور خود مخدوم حسامؒ کے مجموعۂ مکتوبات کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ آپ علوم شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے، علم وفن کی متعدد کتابیں آپ کو زبانی یاد تھیں، قرآن عزیز سے آپ کو بے حد شغف تھا، ابتدائے حال میں روزانہ نماز فجر کے بعد سے چاشت کی نماز تک پندرہ پارے قرآن عزیز کی تلاوت فرمایا کرتے، دوران قرآت کہیں فہم معانی میں توقف ہوتا، تو تفسیر مدارک سے استفادہ فرماتے، یوں تلاوت قرآن ازدیاد حلاوت و ذوق کا باعث ہوتی، ایک روز غیب سے صدا آئی کہ بہت خوب پڑھتے ہو،

ایسے پڑھتے رہو، قرآن عزیز کی قرأت کے سلسلے میں آپ کا یہ اعتقاد راسخ ہے، کہ ''اگر کوئی مقام قطبیت پر فائز ہو جائے، تو بھی اسے قرآن عزیز کی تلاوت ترک نہیں کرنا چاہیے''۔۔۔(ترجمہ وسیلۃ النجات: احسن اللہ علوی؛ص:۱۷۸)

مخدوم حسام الدینؒ حصول علم سے فراغت کے بعد تلاش مرشد میں مشغول ہوئے، حق تعالی کی رہنمائی نے مخدوم نور قطب عالم پنڈویؒ کی خدمت میں رسائی بخشی، شیخ نور قطب عالمؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، خود آپ کی تالیف ''انیس العاشقین'' میں بیان شدہ احوال کے مطابق ۱۴ رماہ کی سخت ترین ریاضتوں اور مجاہدات کے بعد ۸۰۴ھ میں اپنے شیخ کی اجازت وخلافت سے سرافراز ہوئے، آپ کے تبحرعلمی اور ولایت وبزرگی کی سند میں یہ کہنا کافی ہے، کہ اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد، خود پیرزادوں کی تربیت وتعلیم کی تکمیل آپ نے فرمائی، خود مخدوم نور قطب عالمؒ آپ کو ''نور دیدہ، امام اجل اور عالم باعمل'' جیسے مؤدبانہ القاب سے مخاطب فرمایا کرتے تھے، معاصر مشائخ وعلما نے آپ کے تشخص فاضلانہ وعارفانہ کا نہ صرف یہ کہ اعتراف کیا ہے؛ بلکہ علوم شریعت وطریقت کی تحصیل میں آپ کی ذات علمی وعرفانی سے مستفید بھی ہوئے ہیں، ''گلزار ابرار'' از غوثی شطاری اور ملفوظ ''گنج ارشدی'' وغیرہ کی بیان کردہ روایتوں کے مطابق آپ کے باکمال خلفا کی تعداد ۱۲۱ر رہے، جن میں تینوں فرزندان: شیخ فیض اللہ عرف قاضی شہ، شیخ احمد اور شیخ نعمت اللہ بھی شامل ہیں، شیخ کے مذکورہ فرزندان ثلاثہ علم وعرفاں، شریعت وطریقت میں کامل ومکمل ہونے کے ساتھ اپنے والد بزرگوار کے علم وفضل کے نمونہ بھی تھے، ان کے علاوہ مخدوم نور قطب عالمؒ کے دو فرزندان اور دیگر معزز اہل علم میں آپ کے خواہرزادے شیخ کمال، قاضی حامد شہ، شیخ سیدو اور متعدد معاصر اہل علم وفضل حضرات، علما وقضاۃ آپ کے مریدین ومجازین ہوئے۔

حضرت مخدوم حسام الدینؒ کی ذات گرامی علم وحلم، زہد وتقوی اور عرفان وتصوف میں بلا شبہ سربلند وممتاز زمانہ تھی، شیخ عبد الحق محدثؒ آپ کا ذکر خیر فرماتے ہوئے رقیم ہیں کہ:

''شیخ حسام الدین مانک پوری مرید وخلیفۂ شیخ نور قطب عالم از مشائخ وقت بود، عالم بود بعلم شریعت وطریقت...''

۔۔۔(اخبار الاخیار؛ شیخ عبد الحق محدث دہلوی؛ص:۱۷۶)

آپ کے طریقۂ تعلیم وارشاد اور آپ کی مرجع کمال ذات گرامی کے متعلق صاحب ''ثمرات القدس''، لعل بیگ بدخشی رقم فرما ہیں:

''طریقۂ وی سند بود مراین طائفہ راو مشائخ وقت را مقتدا بود''۔۔۔(ثمرات القدس؛ لعل بیگ بدخشی؛ص:۱۰۰۷)

ترجمہ : راہ طریقت میں ان کے طریقہ وروش کو سند کا درجہ حاصل تھا، آپ مشائخ وقت کے مقتدا تھے۔

اس کے باوجود آپ میں عجز وانکسار کا یہ عالم تھا، کہ پیرزادوں کی تربیت اور ان کی بیعت لیتے وقت خود تخت کے نیچے بیٹھتے اور پیرزادوں کو تخت پر بیٹھاتے، آپ کے معاصر بزرگان آپ کو ''اکسیر عشق'' کہا کرتے تھے، ہم عصر بزرگوں میں سلسلۂ شطاریہ

کے بانی شیخ عبداللہ شطاریؒ ،جوخود صاحب تصرف بزرگ تھے،حد درجہ آپ کے فقر ودرویشی کے قائل تھے،مخدوم حسامؒ سے آپ کی اولین ملاقات ہوئی،تو فرمایا کہ:

”مجھے ڈر ہے کہ میرے بھائی شیخ حسام الدین کہیں اپنے فقر کی آگ سے میرے خیمے اور فرش کو جلانہ دیں“

—(وسیلۃ النجات؛احسن اللہ علوی؛اردو؛ص:۱۷۲)

حضرت حسام الدین مانک پوریؒ کی تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کی طوالت تقریباً نصف صدی پر محیط ہے،بے شمار خلق خدا آپ سے مستفید ہوئی،اس طویل مدت میں تصنیف وتالیف اور اپنی مجالس علمیہ سے ایک خلقت کو بہرہ مند فرمایا،آپ کے مریدین خواص میں شیخ فرید بن سالار نے آپ کی زبان مبارک سے مترشح علم وعرفاں کے موتیوں کو سلک تحریر میں پروکر تصوف کی تعلیمات کا ایک نایاب ہار”رفیق العارفین“ کے نام سے تیار کیا،مخدوم حسامؒ کی دیگر باقیات علمیہ میں”انیس العاشقین، رسالۂ محویہ،مجموعۂ اوراد اور مجموعۂ مکتوبات شامل ہیں،جو علم وعرفاں اور تصوف وسلوک کی اہم باتوں کا مجموعہ ہے۔

تصانیف مذکورہ کے علاوہ آپ نے اپنے پیر ومرشد مخدوم نور قطب عالمؒ کے ایک سو اکیس مکتوبات کا مجموعہ”گلزار ابرار“ کے نام سے مدون فرمایا،خود آپ کی تعلیمات اذکار واعمال کو آپ کے خواہرزادے شیخ کمال ع.ن نے”رسالۃ الطالبین“ کے نام سے ترتیب دیا،آپ کی یہ تمام کتابیں نہایت اہم ہونے کے ساتھ اس زمانے میں تصوف کے علمی نوادر میں شمار کی جاتی ہیں۔

مخدوم حسامؒ کو مانک پور کی ولایت تفویض ہوئی تھی،صاحب”مرآۃ الاسرار“ کے مطابق اس ولایت کی سند آپ کو اپنے مرشد مخدوم نور قطب عالمؒ سے اس طرح موصول ہوئی،کہ تعلیمات سلوک کی تکمیل کے بعد مانک پور کے لئے آپ کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ:مخلوق خدا کے رشد وہدایت میں مشغول ہوجاؤ،آپ نے عرض کیا:کہ مخدوم علاء الحقؒ کے خلیفہ شیخ نصیر الدینؒ وہاں سکونت پذیر ہیں،ان کی موجودگی میں رشد وہدایت کی سرانجام دہی میرے لئے وہاں کس طرح ممکن ہے؟ارشاد ہوا کہ:” نصیر تا نصیر حسام تا قیام “؛یعنی نصیر الدین کی ہدایت وارشاد کا معاملہ نصیر الدین تک ہے اور حسام الدین کی ہدایت وارشاد کا سلسلہ قیامت تک ہے؛لہٰذا آج بھی ہندوستان کی متعدد خانقاہوں میں مخدوم حسامؒ کا سلسلۂ طریقت جاری ہے،آپ کا وصال ۱۵؍رمضان ۸۵۳ھ کو مانک پور میں ہوا،وہاں آپ کا مزار اور آپ کی خانقاہ آج بھی مرجع خلائق ہے،”مرآۃ الاسرار“ میں آپ کی تاریخ وفات اس طرح مذکور ہے:

پنجاہ و سہ سال بود و ہشتصد کان شیخ بخلد شد مخلد—(مرآۃ الاسرار؛ص:۸۱۶)

مکتوبات:حضرت مخدوم حسام الدین مانک پوریؒ کا مجموعۂ مکتوبات،علم وعرفاں کے لعل وجواہر کا وہ خزانہ ہے،جس سے سالکین تصوف کی شخصیات مالامال ہوتی رہی ہیں؛مگر موجودہ دور میں آپ کے مکتوبات کا مجموعہ ایک نایاب علمی وعرفانی میراث کی حیثیت رکھتا ہے،راقم مقالہ کی تلاش وتفحص کے مطابق ہندوستان میں ان کے مکتوبات کا ایک ہی مکمل نسخہ دستیاب ہے،

جو تحقیقی نظر سے علمی دنیا کا بھی واحد نسخہ ہے، اس کے علاوہ ایک ناقص الطرفین نسخہ کتب خانہ خدا بخش کی ملکیت ہے، مکتوبات کا مکمل نسخہ کسی ذاتی ذخائر سے منتقل ہو کر کتب خانہ جامعہ ہمدرد کی تحویل میں موجود ہے، یہ امر باعث تاسف ہے کہ مخدوم حسامؒ کے مکتوبات پر علمی دنیا میں کوئی تحقیقی کام اب تک نہیں ہوا ہے، اس لحاظ سے ان کا مجموعہ مکتوبات موجودہ وقت میں علم عرفان وتصوف کا ایک نایاب سرمایہ اور ایک اہم متاع بے بہا ہے۔

حضرت مخدوم حسام الدینؒ کے مکتوبات کا مجموعہ ایک سو اکیس مکاتیب عارفانہ پر مشتمل ہے، جس کو آپ کے مرید وخلیفہ شیخ شہاب الدین ارزانیؒ نے جمع فرمایا ہے، صاحب مرآۃ الاسرار آپ کے مکتوبات کے تعارف میں رقم فرماہیں:

”یک صدو بیست ویک مکتوبات است باسم خلفاء خود نوشته، اکثر در بیان عشق و محبت و درد و ذوق وفناء مطلق واقعه شده است۔۔۔“—(مرآۃ الاسرار؛ص:۸۱۶)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات متحقق ہوجاتی ہے، کہ شیخ حسام الدین مانک پوریؒ سے منسوب دستیاب مجموعہ مکتوبات آپ ہی کی تالیف ہے، داخلی شواہد سے بھی اس مجموعہ کے مستند ہونے کی تائید ہوتی ہے؛ البتہ یہ کس زمانے کے مکتوبات ہیں، اس بات کی وضاحت مطالعۂ مکتوبات سے پورے طور پر متحقق نہیں ہوتی ہے؛ مگر جامع مکتوبات کے ابتدائی کلمات میں مخدوم حسامؒ کے نام کے ساتھ ”متع اللہ تعالی بطول بقائہ المسلمین“ کے دعائیہ جملہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ مجموعہ مکتوبات صاحب مکتوبات کی حیات میں ہی مدون ہوا تھا۔

آپ کے مخاطبان مکتوبات میں اکثریت اصحاب کمال کی پائی جاتی ہے، جو اپنے زمانے کے جید علما ہونے کے ساتھ، افتاء وقضاء جیسے مناصب عالیہ پر فائز رہنے والے اور اکابر مشائخ وقت تھے، مثلا: آپ کے تینوں فرزندان؛ شیخ فیض اللہ، شیخ احمد، اور شیخ نعمت اللہ، آپ کے پیر ومرشدؒ کے فرزندان ومریدان، جیسے: شیخ زاہد، شیخ راجا، اور ان کے علاوہ، سادات علما، جیسے سید السادات سید قطب الدین ظفرآبادی، مخدوم حمزہ حاکم مانک پور، صدر القضاۃ والحکام سید اکبر حاکم کڑہ، سید حامد شہ، شیخ کمال الدین، مخدوم زادہ شیخ احمد بن قاضی شمس الدین جونپوری، مولانا رکن الدین ملتانی، ملک العلما شیخ علاء الدین، خلیفۂ قطب عالم پنڈوی، صدر القضاۃ قاضی برہان الدین حاکم جونپور، مولانا شہر اللہ ملتانی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

ایک سو اکیس مکتوبات کے اس مجموعے میں جن مضامین پر نکتہ آفرینیاں نظر آتی ہیں، ان میں حصول معرفت الہی کے لئے شریعت محمدی کی اتباع لازمی اور اس کے تحت مختلف اور متنوع موضوعات میں درویشی کا حصول، محاسبہ، مجاہدہ، مشاہدہ، مطالعہ، تزکیہ، ذکر واذکار، محبت اور اس کی علامات، اقسام نفس، اہل مجاہدہ کی قسمیں، ہلاکت عاشق، درد عشق، ذوق وشوق، ثمرات عشق، اقسام دل، اخلاق الہیہ سے اتصاف، تعریف فقر وفقیر، نصیب درد، حصول علم کی ضرورت، اقسام سالک، اوصاف طالب، شرائط ارادت، کمال مرید، سالک کامل کی شناخت وخصوصیات، تصوف کی تعریف، صوفی کی تعریف اور شرائط واقسام، صوفیہ کے لباس،

تقوائے خواص وعوام،تعلیم توبہ،توکل،علامات توکل،بنی آدم کے دو اوصاف: خودی و بے خودی، قبول حسنات کی شرطیں،خلوت، مرید کے اقسام،علم کے اقسام،طلب محبت میں سعئ پیہم، وقت کی قدر، اوقات منام کی تعلیمات، اجتناب معاصی، رعایت شریعت، ملاحظات قرآت، اعتقاد شیخ ومرشد، اہتمام نماز وغیرہ جیسے مباحث غیر معمولی افادیت کے حامل ہیں ۔

آپ کے مجموعۂ مکتوبات کی سب سے اہم اور قابل اعتنا جہت یہ ہے،کہ آپ کی تمام تر تعلیمات وارشادات کا محور رعایت شریعت سے عبارت ہے، ہر ایک مبحث کا خلاصہ، نبئ اقدس ﷺ کی اتباع اور ان کی پیروی کی طرف رہنمائی کرتا ہے،اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے،کہ صوفیا کے نزدیک اتباع شریعت کس قدر اہم اور ضروری امر مسلم ہے،کہ وہ شریعت کی پیروی سے کسی لمحۂ حیات میں غافل نہیں ہوتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اس میں غفلت برتنے سے روکتے ہیں،ان کی تمام تعلیمات،شریعت نبوی ﷺ کی اشاعت کا حصہ ہوتی ہیں؛ کیوں کہ شریعت نبوی کی اتباع ہی معرفت الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے ان کی شریعت کے بغیر زندگی بے مقصد ہے ۔

بے تولائے ختم رسل زیست حرام است مرا

مخدوم حسامؒ کے مکتوبات کے جن اہم موضوعات کا تذکرہ ابھی گذرا، ان میں سے چند باتوں اور آپ کے مکتوبات میں مذکور کچھ دیگر تصوف کی بنیادی مفید چیزوں کا اختصار کے ساتھ ذیل میں تعارف پیش کیا جاتا ہے؛ تا کہ اہل علم کو آپ کی تعلیمات کا اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو کہ آپ کے مجموعۂ مکتوبات میں تصوف کی تعلیمات کس وسعت کے ساتھ جمع کی گئی ہیں ۔

حضرت مخدوم حسام الدینؒ کے نزدیک حصول درویشی کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں، دو چیزیں درست اور دو چیزیں شکستہ: اعتقاد درست اور یقین درست، پا شکستہ اور دل شکستہ،دل کی شکستگی، درد کے حصول کا ذریعہ ہے، مردان دین اور شہسواران یقین کا زیور ہے، پا کی شکستگی کا مفہوم یہ ہے، کہ درویش کسی اہل دنیا کے در پر جانے سے پرہیز کرے، مخدوم حسامؒ نے لفظ ”فقر“ کو ہدف سخن بنا کر اس کی مختلف تعریف اور اہل فقر کے مختلف اوصاف کی وضاحت فرمائی ہے،”فائے فقر“ اس بات کی طرف مشیر ہے،کہ سالک فقیر کو فہم وفراست سے آراستہ ہونا چاہئے؛ تا کہ وہ تعریفات الٰہیہ کو سمجھ سکے، سالک کے اندر ”فلق“؛ یعنی کشادگی ونورانیت کی صفتیں موجود ہوں؛ تا کہ اس کا باطن روح کی صفات سے روشن وکشادہ ہو جائے،”فقر کی فاء“ فخر پر بھی دلالت کرتی ہے؛ یعنی سالک طریقت، جو فقر کا طالب ہو، وہ ہمیشہ اس بات پر فخر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عدم سے وجود بخشا ہے، ہم احسن الخالقین کے بندے ہیں، اس طرح ”قاف فقر“ دال ہے، کہ طالب کے اندر قویم کی صفت ہونی چاہئے؛ یعنی وہ اپنی دوئی کو دور کر لے؛ تا کہ اس کو پردۂ وحدت میں رسائی حاصل ہو، طالب میں ”قلق“ کی صفت بھی ہونی چاہئے،، وہ درد سے آراستہ ہو”قہر“ کی صفت اس کے اندر موجود ہو؛ تا کہ نفس پر ہمیشہ سخت رہ سکے اور ہمہ وقت نفس کی مخالفت کا پابند ہو،”رائے فقر“ سے یہ اشارہ ملتا ہے،کہ طالب کے اندر صفت رحمت کا ہونا ضروری ہے؛ کیوں کہ گلزار رحمۃ للعالمین کی خوشبو اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے،

جو طبعاً رحیم ہوتا ہے، اس کے ساتھ طالب کو رشید بھی ہونا چاہئے؛ تاکہ ہر معاملہ میں وہ راہ صواب پر ثابت قدم رہے۔

مجموعہ مکتوبات کے چھٹے مکتوب میں مسند نشینان طریقت کے خصائص پر روشنی ڈالی گئی ہے، کہ کمال محبت کے بعد طالب مقام مشیخیت کو پہنچتا ہے، شیخ وقت کو چاہئے، کہ وہ کریم ہو، رحیم وصبور ہو، اس کے اندر بردباری پائی جاتی ہو، پاکیزہ طبیعت کا حامل ہو، اس کا دل سیاہ نہ ہو، دنیا کی جمع آوری سے بے نیاز رہتا ہو، کوچہ گرد نہ ہو، شطاح نہ ہو، جاہ ومنزلت کا طالب نہ ہو، اپنے مریدوں اور متوسلینوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہو، جیسا کہ سید عالم ﷺ اپنے صحابہ پر رؤف ورحیم تھے؛ کیوں کہ شیخ، مرید کی تربیت میں سید عالم ﷺ کا خلیفہ ہے؛ اس لئے نیز اس کو علم شریعت کا عالم ہونا چاہئے؛ تاکہ فرائض وسنن، تطوعات اور مختلف انواع محرمات ومحظورات، نیز حلال وحرام کے درمیان وہ مکمل طور پر تمیز کرسکے، شیخ وقت کو علم طریقت کا بھی عالم ہونا چاہئے، مثلاً: طریقت کے مختلف معاملات سے اس کو آگاہی وآشنائی حاصل ہو، اس طرح علم حقیقت سے بھی بہرہ مند ہو، مکارم اخلاق و محاسن ارادت سے موصوف ہو، جیسے: صبر وشکر، توکل ویقین اور سخاوت وقناعت، اس کے اوصاف ہوں، اس کی صفات ذمیمہ مضمحل ہو چکی ہوں، اس کی سند خلافت سید عالم ﷺ تک مسلسل ہو، اس کی متابعت حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو، ایسی صفات کے حامل شیخ کی اطاعت فرض ہے، وہ سالکوں کی تربیت وتعلیم کا اہل ہے۔

مکتوب دہم میں حضرت مخدوم حسامؒ نے حصول علم کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ: اگر تم علم وحلم اور تصوف کے زیور سے آراستہ ومزین ہو جاؤ، تو دنیا طلبی کے لئے ارباب دنیا سے اپنے دین کو نہ بیچنا اور اپنے علم کو حصول جاہ ومنصب کا وسیلہ نہ بنانا؛ بلکہ دنیا کو حصول دین کا ذریعہ بنالینا، مخدوم حسامؒ دین فروشی کی مذمت کرتے ہوئے، اس کی مثال میں ایک دل اثر واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ سفر حج سے واپسی پر کچھ حاجیوں کے ایک قافلہ نے کسی مقام پڑاؤ ڈالا، کھانے پینے کے سامان میں محض سوکھی روٹی تھی، نمک کی خواہش ہوئی، تو ان لوگوں نے ایک شخص سے کہا: کہ ہمارے لئے کسی دوکان سے نمک مانگ کرلے آؤ، کہنا کہ: حاجیوں کا قافلہ آیا ہوا ہے، تھوڑے نمک کی ضرورت ہے؛ چنانچہ اس روز یہ کہنے سے نمک مل گیا، دوسرے روز پھر نمک کی ضرورت پیش آئی، تو حاجیوں نے پھر اسی شخص سے دوبارہ اسی طرز پر نمک لانے کو کہا، اس شخص نے حاجیوں کو مخاطب کرکے یہ سوال کیا کہ: حج توکل ہی فروخت کردیا تھا، آج کیا بیچ کر نمک لاؤں گا۔

حضرت مخدوم حسامؒ کے نزدیک سالک کو پانچ اوصاف سے متصف ہونا چاہیئے، اول: سالک کا عمل قرآن کے مخالف نہ ہو، قول وعمل میں وہ حضرت رسول ﷺ کی اقتدا کرتا ہو، حلال روزی کھانے کا عادی ہو، دست وزبان سے کسی کی ایذا رسائی نہ کرتا ہو، معاصی وآثام سے اجتناب کرنے والا ہو، توبہ نصوح کا پابند ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرنے والا ہو، یہ وہ پانچ اوصاف ہیں، جن سے سالک کی بدایت درست ہوتی ہے؛ چوں کہ ہر ایک چیز کی ایک بدایت اور ایک نہایت ہے؛ اس لئے سالک طریقت کو اولاً اپنی بدایت کو درست کرنا چاہیئے؛ اس لئے کہ تصحیح بدایت کے بغیر مقام نہایت تک نہیں پہنچا جاسکتا ہے اور

جس شخص کے اندر شریعت کی رعایت ہی مفقود ہو جاتی ہے، وہ طریقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور جس نے طریقت کو چھوڑ دیا، وہ حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا۔

سالک کے جس عمل کی وجہ سے طریقت کی راہ مسدود ہو جاتی ہے، وہ سالک کی خودنمائی ہے، حضرت مخدوم حسامؒ معتقد ہیں کہ: جس شخص کی یہ خواہش ہو، کہ وہ مخلوق کے درمیان پہچانا جائے، آخرت کی حلاوت اس شخص کو ہرگز نصیب نہیں ہوگی، آپ رقم فرماہیں کہ: حضرت نور قطب عالمؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: جو شخص یہ سمجھ لے کہ وہ کچھ بن گیا ہے، وہ کچھ نہیں بنے گا اور جو یہ سمجھ لے کہ وہ کسی مقام پر پہنچ چکا ہے، وہ کہیں نہیں پہنچتا، حصول معرفت حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سالک کے اندر انکسار کا نہ ہونا اور اس کی خودی کا خیال ہے، حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے اپنے پیر خواجہ سری سقطی قدس سرہ کے در پر تیس سالوں تک اپنے دل کی پاسبانی کی، ان کے دل میں کبھی کسی غیر حق کا خیال نہیں گذرا، ایک روز انہیں لمحہ بھر کے لئے یہ گمان ہو گیا، کہ جنید غالباً کسی مقام پر فائز ہو چکا ہے، غیب سے یہ صدا آئی کہ: اے جنید! اب وہ وقت آ گیا ہے، کہ تمہیں گوشۂ زنار میں دوبارہ دیکھوں، خواجۂ جنید رونے لگے اور مناجات کی، کہ اے خداوند! میرا گناہ کیا ہے؟ فرمان ہوا: ’’وجودك ذنب لایقاس بها ذنب‘‘ تمہاری خودخیالی ایسا گناہ ہے، جس کا موازنہ کسی گناہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

درین رہ نیست خودبینی خجستہ
تنی لاغر دلی باید شکستہ
—(مکتوب نہم و دہم)

حضرت مخدوم حسام الدینؒ ایک دوسرے مکتوب میں ضرورت تربیت کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ: جو شخص کسی کی نگہ داشت میں تربیت نہیں پاتا ہے، وہ رعونات نفس کو بھی اعمال حسنہ تصور کرتا ہے، اس کو اپنے عیب بھی ہنر معلوم ہوتے ہیں، جب تک کسی پیر عشق سے سالک و طالب کی تربیت نہیں ہو جاتی، وہ نہ شراب بے خودی کو نوش کر سکتا ہے اور نہ روئے مقصود کا دیدار کر سکتا ہے؛ اس لئے طالب کو کسی مرد کامل کی صحبت میں رہنا ضروری ہے؛ ورنہ مقصود تک رسائی کا امکان کم تر و بے فائدہ ہے؛ کیوں کہ حق تعالیٰ کی راہ معرفت اور بساط ربوبیت میں سالک کو اپنی خودی کے ساتھ پہنچنا ناممکن ہے۔

سعدی بخویشتن نتوان رفت سوی دوست
کانجا طریق نیست کہ اغیار بگذرد
—(مکتوب نہم و بست ونہم)

ترجمہ : سعدی خودی کو چھوڑ کر جانا ہے سوئے دوست، غیروں کا اس کی راہ میں چلنا محال ہے۔

اکیسویں مکتوب میں مخدوم حسام الدینؒ نے سالک طریقت کو اپنی قوت ارادی مضبوط کرنے، محنت ومشقت اور ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے معرفت حق کے حصول کی تعلیم فرمائی ہے، کہ ظاہر میں کسی کے سامنے رنج اٹھانا؛ تاکہ وہ کچھ بن جائے،

یہ اس کے حق میں بہتر ہے، وہی شخص زیادہ بہتر بن سکتا ہے؛ کیوں کہ ؎

نابردہ رنج گنج میسر نمی شود

حضرت مخدوم حسامؒ فرماتے ہیں کہ: ہمارے پیرومرشد نے اپنے پیرومرشد مخدوم علاء الحق پنڈویؒ؛ یعنی خود اپنے والد گرامی کی خانقاہ کے مطبخ میں بارہ سال تک اپنے سر پر لکڑیاں ڈھوئیں، چار سال دیگر مشکیزہ برادری کی خدمتیں سر انجام دیں؛ حالاں کہ حضرت علاء الحق پنڈوی مشار الیہ بزرگ تھے، ان کی نظر اکسیر تھی، جس پر نظر فرماتے، وہ مرد کامل بن جاتا، اس کے باوجود بھی اپنے فرزند کو محنت و مشقت کے ذریعہ ان کی خودی کو مٹا کر عظمت کے مقام پر پہنچایا، انسان کا نفس جب تک اخلاق مذمومہ، طبائع ردیہ سے مطہر و مزکی نہیں ہوتا ہے، ملکوتی صفات سے وہ موصوف نہیں ہوسکتا، مقامات سلوک میں ایسے سالک کو ترقی کا شرف حاصل نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے ریاضت و مشقت سالک کے لئے ایک ضروری چیز ہے، باطن کا تزکیہ سالک کی ریاضت و مجاہدے پر موقوف ہے، جب تک تزکیہ حاصل نہ ہو، مطلوب تک رسائی ناممکن ہے۔ (مکتوب نہم بست ویکم)

اصحاب تصوف کے یہاں مقاصد شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت ظاہری کی اتباع پر زور دیا جاتا ہے، ظاہری شریعت کے ہر پہلو پر عمل کرنا اہل اللہ کا وطیرہ رہا ہے؛ کیوں کہ محبت کا ایک تقاضا خواہش محبوب کی بجا آوری سے عبارت ہے، محبوب حقیقی کے ہر حکم کی رعایت کرنا، اس سے محبت کرنے کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اوپر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، نماز ایک ایسا عمل ہے، جو تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے؛ اس لئے فرائض میں نماز باجماعت کو بڑی فضیلت اور اولیت حاصل ہے، شفیق امت شارع علیہ السلام نے نہایت شفقت کے ساتھ نماز باجماعت کے اہتمام پر امت کو متنبہ فرمایا ہے، صوفیائے کاملین اپنے مریدوں کو بھی سب سے پہلے جس عمل کی تعلیم فرماتے ہیں، وہ نماز باجماعت کا اہتمام ہے؛ چنانچہ مخدوم حسام الدین مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اٹھارہویں مکتوب میں نماز باجماعت کے سلسلہ میں آپ کا ارشاد گرامی مذکور ہے، کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے؛ کیوں کہ کوئی بھی نماز باجماعت شرکت ولی سے خالی نہیں ہوتی؛ اگر چہ سہ نفر ہی کیوں نہ ہوں اور چوں کہ ولی کی نماز ہر آئینہ قبول ہوتی ہے؛ لہذا اس ولی کی نماز کے طفیل میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے دیگر لوگوں کی نمازیں بھی قبول ہو جاتی ہیں۔

اس مبحث کے ضمن میں آپ نے ان استغفار کے کلمات کا بھی ذکر فرمایا ہے، جو قبولیت نماز کا ذریعہ بتائے گئے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: کہ جب تک تمہاری نماز میری نماز کی طرح نہ ہو جائے، قبول نہیں ہوسکتی، صحابہ متحیر ہو گئے، حضرت امیر المومنین سیدنا عمرؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری نماز آپ کی نماز کی طرح کیسے ہوسکتی ہے؟ ارشاد ہوا: جو شخص اس استغفار کو ہر فرض نماز کے بعد تین بار پڑھے گا، اس کی نماز میری نماز کی طرح ہو جائے گی، وہ استغفار کے کلمے ہیں: ”استغفر اللہ من کل ذنب اذنبتہ عمداً وخطاً وسراً وعلانیۃ واتوب الیہ من ذنب الذی اعلم ومن ذنب الذی لا اعلم انك انت العلام الغیوب“ صوفیا کے اکثر خانوادوں میں یہ استغفار

نماز کے معمولات میں شامل ہے اور اس استغفار پر مداومت کی تعلیم بھی فرمائی جاتی ہے۔

طریقت میں ادب کو خاص اہمیت حاصل ہے، مشائخ کا قول ہے کہ: عمل میں ادب قبولیت عمل کی علامت ہے، مخدوم حسامؒ فرماتے ہیں کہ: جو شخص ادب میں کوتاہی کرتا ہے، سنتوں سے محرومی، اس کی سزا ہوتی ہے اور جو شخص سنتوں کی رعایت میں سستی کرتا ہے، فرائض کی ادائیگی سے محرومی اس کی عقوبت کا ذریعہ ہوتی ہے اور جس شخص کو فرائض سے محرومی کی سزا ملتی ہے، وہ معرفت الٰہی سے محروم رہتا ہے، صاحب مکتوب کا فرمان ہے کہ: توحید موجب ایمان ہے، جس شخص میں ایمان نہیں ہے، اس کے پاس توحید نہیں ہے، اور ایمان شریعت کا موجب ہے، جو شخص شریعت سے دور ہے، وہ ایمان و توحید دونوں سے محروم ہے، اور شریعت موجب ادب ہے؛ لہٰذا جس کے اندر ادب نہیں ہے، ایسے شخص کے پاس نہ شریعت ہے، نہ ایمان ہے اور نہ توحید ہے ؎

ادب تاجی است از لطف الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی
—(مکتوب سی وسیوم)

حضرت مخدوم حسام ۳۶ ویں مکتوب میں فلسفہ وحدت الوجود کے عشقیہ مضامین کے تحت، عصمت انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے، اولیاء اللہ کی دوستی کی حقیقت سے یوں روشناس کراتے ہیں، کہ انبیاء کے قلب کی عصمت کو (حق تعالیٰ نے) اغیار کی صورت سے نامزد فرمایا کہ: ''انہ عاصم علی قلوب النبیین'' بے شک اللہ انبیاء کے قلوب کی حفاظت فرمانے والا ہے، یہاں تک کہ ان کے ظاہر غیر شرعی امور اور مادی امور سے پاک ہوگئے، ان کے وسیلے سے باران رحمت کا نزول، ان کے متبعین اولیائے کرام کے دلوں پر بھی ہوا، تو اولیائے کرام بھی گناہوں سے محفوظ ہوگئے اور اس طرح محفوظ ہوگئے، کہ اکثر احوال و واقعات میں ان سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا ہے اور یہ لوگ تفرقہ کے شکار نہیں ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ''**النبی معصوم والولی محفوظ**'' کی شان ظاہر ہو جاتی ہے؛ چوں کہ اولیائے کرام کے متبعین بھی محروم نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے اس حفظ وصیانت کا قلیل حصہ ان کے بے نصیب اور حقیر متبعین کا نصیبہ بن جاتا ہے، اس لئے اتباع سلف کی راہ پر گامزن ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس وجود سے عدم کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے ''**موتوا قبل ان تموتوا**'' سے یہی رہنمائی ملتی ہے، اس کی رہنمائی میں راہ طے کرنا چاہیئے؛ لیکن عشق کے ساتھ، نہ کہ ہوس کے ساتھ—(مکتوب سی وششم)

صوفیا کے مشرب میں بوقت بیعت توبہ واستغفار کے بعد برضا ورغبت اور حسب استطاعت مرید کی جانب سے کچھ نذور پیر کی خدمت پیش کئے جانے کی روایت رہی ہے، حضرت مخدوم حسام قدس سرہ کے مکتوبات کے مجموعہ میں اس روش صوفیا کی حقیقت اور اس کی اصل کی پردہ کشائی ہوتی ہے؛ چنانچہ مجموعہ مکتوبات کے مکتوب سی وچہارم میں یہ مذکور ہے، کہ جب طالب کسی سے ملاقات کے لئے جائے، تو خالی ہاتھ نہ جائے، یا اگر کسی بزرگ کے پاس تائب ہونے کی نیت سے جائے، تو توبہ کے بعد پیش کرنے کے لئے کچھ چیز ساتھ لیتا جائے، حضرت کعب ابن مالک سے مروی ہے، کہ جب آپ کی توبہ قبول ہوئی، تو آپ نے

حضرت رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ’’ان من توبتی أن اخلع من ما لی کله‘‘ فرمان ہوا: ’’یکفیك او یجزیك من ذلك الثلث‘‘ حضرت مخدوم حسامؒ فرماتے ہیں کہ: اسی روایت اوران جیسی دیگر روایتوں کی بنیاد پرصوفیوں کے یہاں بوقت بیعت توبہ واستغفار کے بعد کچھ نذور پیش کئے جانے کا معمول رہا ہے، اس کا مقصد ومطلب صرف رعایت تالف ہے؛ تاکہ مرید کا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے۔ان جیسے مباحث کے دوسرے مکتوب میں نیت ارادت کے تحت حضرت مخدوم حسامؒ نے شیوخ طریقت کو یہ نصیحت فرمائی ہے، کہ ارادت کے وقت پیر کو دل میں یہ نیت کرنی چاہیئے، کہ اس مرید کی برکت سے بخشش حاصل ہوگی؛ اس لئے کہ جب کوئی شخص توبہ وارادت حاصل کرتا ہے، تو وہ فوراً بخش دیا جاتا ہے؛ اس لئے بخشے ہوئے کا ہاتھ جب کسی کے ہاتھ پر پہنچے گا، تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور کمال کرم سے بخشا جائے گا، یہ نیت نہ کرے کہ اس کی برکت سے مرید کو مغفرت نصیب ہوگی؛ کیوں کہ اس میں تکبر اور افتخار ہے اور اس میں تواضع و خاک ساری اور فقر و عاجزی کے اوصاف پائے جاتے ہیں، طالبین و سالکین اور مربین و رہنما کے لئے عاجزی ایک مفید صفت ہے، جس کی تعلیم اہل تصوف کے یہاں خاص طور سے دی جاتی ہے، حضرت حسام الدین مانک پوریؒ فرماتے ہیں کہ میرے پیر نے بوقت رخصت مجھے یہ نصیحت فرمائی تھی، کہ سخاوت میں آفتاب کی طرح، تواضع میں پانی کی طرح، اور تحمل میں زمین کی طرح بنو اور خلق خدا کے جور و جفا کو برداشت کرو—(وسیلۃ النجات، ص: ۱۸۴)

مختصراً یہ کہ مکتوبات حسام الدین مانک پوری، تصوف کی تعلیم وتربیت کا سرچشمہ ہے، یہ محض بے نفسی اور خود شکنی جیسی اہم صفات طالب کے تعلق سے، مکتوبات میں مذکور چند باتوں کا اجمالی تعارف تھا، جو ما قبل کی سطور میں پیش کیا گیا، سلوک و مقامات تصوف کے دیگر نوادرات اور لائق عمل باتیں، اس شرح و بسط کے ساتھ مجموعۂ مکتوبات میں احاطہ کی گئی ہیں، کہ اس سلسلے میں بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے، کہ مخدوم حسامؒ کے مجموعۂ مکتوبات کے ہر ایک مکتوب کی تفصیل، ایک مکمل مضمون کی مقتضی ہے، تصوف کے رموز و اسرار، حقائق و معارف کی ایسی تشریحات و توضیحات آپ کے مکتوبات میں موجود ہیں، جن کی قرأت طالبان حق کے لئے نہایت مفید و مؤثر ہیں، و ہیں زبان و ادب فارسی کے حوالے سے بھی ان کے مکتوبات لائق اعتنا اور قابل توجہ ہیں، ان میں زبان وادب کی چاشنی اور روحانی حلاوت و ذوق کا سامان اس طرح موجود ہے، کہ خوانندۂ مکتوبات کی دل چسپی از ابتدا تا انتہا برقرار رہتی ہے۔

منابع ومصادر :

(۱) ترجمہ وسیلۃ النجات؛ احسن اللہ علوی؛ آسی فاؤنڈیشن، دہلی؛ ۲۰۲۱ء۔

(۲) رفیق العارفین؛ مخدوم حسام الدین مانک پوری؛ جامع فرید بن سالار؛ نسخۂ خطی کتب خانۂ بدریہ مجیبیہ۔

(۳) مجموعۂ مکتوبات؛ مخدوم حسام الدین مانک پوری؛ جامع شہاب الدین ارزانی؛ نسخۂ خطی جامعہ ہمدرد لائبریری۔

(۴) مرآۃ الاسرار؛ شیخ عبد الرحمن چشتی؛ نسخۂ خطی کتب خانۂ رضا رام پور۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

علامہ سید سلیمان ندوی اور ان کے خانوادہ کے

بزرگان خانقاہ مجیبیہ سے تعلقات

● مولانا طلحہ نعمت ندوی ـــــ استھاواں، بہار شریف

علامہ سید سلیمان ندوی کا خانوادہ ایک دینی خانوادہ تھا، جہاں صوفیہ اور تصوف کا نقش بہت گہرا تھا، اہل دیسنہ میں کئی اہل کمال تھے جو سید صاحب سے بہت پہلے اپنے علاقہ میں ایک مقام اور شہرت رکھتے تھے، اور علاقہ کے تقریباً اکثر مشائخ سلسلہ سے ان کے گہرے مراسم تھے، لیکن خانقاہ مجیبیہ سے سید صاحب اور ان کے خانوادے کا خاص تعلق تھا جو اخیر تک قائم رہا، اور سید صاحب نے اپنی تحریروں میں جا بجا وہاں کے بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ سید صاحب سے قبل دیسنہ کے مشہور عالم و بزرگ مولانا سید تجمل دسنوی (م ۱۳۴۲ھ) جو سید صاحب کے رشتہ کے چچا تھے وہاں کے بزرگوں کے معتقد اور ان کے کمالات کے معترف تھے۔ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی سے انہوں نے خانقاہ کے بزرگوں کا ذکر کیا تھا جس کا ذکر وہ حضرت والا اپنی کتاب کمالات رحمانی میں ''پھلواری شریف کی خلوت'' کے عنوان سے اس طرح کرتے ہیں:

> ''راقم الحروف نے قانون خلوت گہہ ہونے کا جو پھلواری میں دیکھا، دنیا میں کسی خانقاہ میں نہ ہوگا، چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے آپ کی مجلس میں حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہٗ کا ذکر کیا اور ان کے اوصاف و دیگر حالات بیان کرتے رہے۔ آپ بہت متوجہ ہو کر سنتے رہے۔ پھر حضور نے فرمایا، میاں، وہ بڑے صاحب ایمان تھے، عرض کیا کہ حضرت ایماندار تو سبھی کوئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ وہ ایمان جس کا ذکر حدیثوں میں ہے۔۔۔۔ یہ عجب معاملہ اہل اللہ کا تھا کہ جسمانی ملاقات دونوں صاحبوں میں نہ تھی، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بڑی ملاقات اور واقفیت تھی، وہاں کے بزرگ پر خلوت گزینی ختم تھی کہ کسی دروازہ اہل دنیا پر ان کی نظر نہیں پڑے۔ اور خاص خاص وقت بیٹھتے ہیں کہ اس وقت خلق سے ملتے تھے، باقی تمام دن رات عبادت میں۔ اور کیا خوب توکل رہتا ہے۔

سید صاحب کی تحریروں میں تو ان کی طالب علمی کے دور کا اجمالی تذکرہ ہے،لیکن ان کے رفیق وعزیز مولانا سید نجم الھدیٰ ندوی (م ۱۳۹۱ھ تقریباً) جو ان کے ماموں زاد بھائی اور بالکل ہم عمر تھے،اپنے ایک مضمون میں اس خانقاہ سے سید صاحب کے والد حضرت حکیم سید ابوالحسن دسنوی (م ۱۳۴۰ھ) کے استفادہ واسترشاد اور خود اپنی اور سید صاحب کی طالب علمی کا بہت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، جو عام طور پر اہل علم کے سامنے نہیں جب کہ اس میں بہت اہم یادیں محفوظ ہوگئی ہیں،اس لئے پورا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے۔

”یہیں اسلام پور میں حضرت شاہ ولایت علی نقشبندی سے بیعت بھی کی،اور ان کے ساتھ حج کو بھی تشریف لے گئے،لیکن مرشد سے تربیت ابھی پورے طور سے حاصل نہیں کی تھی کہ ان کا وصال ہوگیا،جس سے حکیم صاحب موصوف کی تشنگی باقی رہ گئی،اس لئے کچھ دنوں کے بعد طبیعت میں اضطراب پیدا ہوا،جب یہ کیفیت ناقابل برداشت ہوگئی تو رہبر کی تلاش میں گھر سے پیدل نکل کھڑے ہوئے،بہار شریف کے ہر خانوادہ میں گئے مگر تشفی نہیں ہوئی،جھٹلی شریف اور پٹنہ سیٹی وغیرہ میں ٹھہرے،لیکن وہاں بھی سیری نہیں ہوئی،آخر میں پھلواری شریف کی خانقاہ پہنچے،صبح کا وقت تھا،سائبان میں لوگ بیٹھے تھے،چائے کا دور چل رہا تھا،یہ بھی ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے،حضرت شاہ علی حبیب قدس سرہٗ اس وقت سجادہ نشین تھے،انہوں نے اپنے خادم سے کہہ رکھا تھا کہ آج ایک مہمان آنے والے ہیں،وہ جب آجائیں تو اطلاع کرنا،جب کچھ تاخیر ہوئی تو خادم کو بلایا،خادم نے کہا کوئی مہمان ابھی تک نہیں آیا ہے،شاہ صاحب نے تاکید کی کہ باہر جا کر غور سے دیکھو، خادم باہر آیا تو برآمدہ میں ایک نو وارد کو دیکھا جو سید صاحب کے والد ماجد تھے،ان کو ساتھ لے کر شاہ صاحب کے پاس گیا، دونوں میں تخلیہ میں ڈھائی گھنٹہ تک راز ونیاز کی باتیں ہوتی رہیں،چار دن کے بعد واپسی کا حکم ہوا،اور اسلام پور آ کر پوری عمر ریاضت وعبادت میں گزار دی،اور وفات کے بعد اپنے مرشد کے پائیں سپرد خاک ہوئے“۔

اپنے اور سید صاحب کے دور طالب علمی کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

”حکیم صاحب سید صاحب کو تعلیم کے لئے اسلام پور سے پھلواری شریف لے گئے،پھر مجھے بھی پھلواری پہنچا دیا،وہاں میر عابد حسین کے یہاں میرے قیام کا انتظام تھا،اور سید صاحب خانقاہ کی ایک کوٹھری میں مقیم تھے،میری قیام گاہ کے متصل حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کا مکان تھا،اور ان کے صاحبزادوں سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں،پھلواری شریف سے ہم لوگوں کو پرانا قلبی تعلق تھا،سید صاحب کے والد ماجد نے حضرت شاہ علی حبیب سے فیوض حاصل کئے،میرے بزرگوں کو بھی اسی خانوادہ سے عقیدت وبیعت تھی،اس لئے یہاں ہم لوگوں کو اجنبیت محسوس نہیں ہوئی،ہماری تعلیم حضرت استاذی مولانا شاہ محی الدین کے سپرد ہوئی،وہاں کے مدرسہ میں اس وقت مولانا عبدالرحمن کاکوی صدر مدرس تھے،جو مولانا شاہ محی الدین کو حدیث کا دورہ کراتے تھے،ان کے ہم درس مولانا شاہ معین الدین مرحوم،جناب شاہ محمد خلیل،جناب شاہ حکیم محمد شعیب،جناب حکیم عبدالمنان صاحب،

جناب مولانا رحیم بخش صاحب آروی بانی مدرسہ فیض الغرباء آرہ اور جناب حافظ محمد وصی صاحب ساکن ہزاری باغ بھی تھے، یہ حضرات طلبہ کو شوقیہ درس بھی دیتے تھے، ہم اور سید صاحب دیسنہ سے قدوری اور تہذیب پڑھ کر آئے تھے، پھلواری پہنچ کر شرح وقایہ اور تہذیب شروع کی، مولانا رحیم بخش منطق بہت اچھی پڑھاتے تھے، وہ تہذیب پڑھاتے تو پوری طرح ذہن نشین کرادیتے، اور ان ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جب میں ندوہ میں داخل ہوا، تو منطق کے درس میں ہمیشہ ممتاز رہا، مولانا شاہ معین الدین مرحوم سے شرح وقایہ پڑھی، سید صاحب پھلواری کے قیام میں حسب معمول طلبہ سے کم ملتے جلتے تھے، ان کے مزاج میں شروع ہی سے تحمل، بردباری اور عفو درگزر کا مادہ تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، پھلواری کے مدرسہ میں جہان آباد ضلع گیا کا ایک لڑکا پڑھتا تھا، ۱۲ ربیع الاول کے عرس کے موقع پر اس نے دھوکا دے کر ہم دونوں سے کچھ نقد وصول کرلیا، اس کے بعد سید صاحب سے اس کی ملاقات ہوئی تو نادم ہونے کے بجائے ان سے لڑنے لگا، میں بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گیا، سید صاحب جیسے جیسے نرم ہوتے جاتے ویسے ہی وہ گرم ہوتا جاتا، میں نے اس کو سختی سے جواب دیا، وہ کچھ ہاتھا پائی پر اتر آیا، اور میں مغلوب ہوگیا، سید صاحب کھڑے تماشا دیکھتے رہے، اور انہوں نے میری کوئی مدد نہیں کی، جب وہ لڑکا چلا گیا تو میں ان پر بہت برہم ہوا کہ تمہاری خاطر تو میں لڑتا رہا اور تم نے کوئی مدد نہیں کی، جب میں زیادہ بگڑا تو بولے میں نے تم سے کب کہا تھا تم میری مدد کے لئے اس سے جھگڑا کرو، وہ خود ہی بولتے بولتے خاموش ہوجاتا اور اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔

سید صاحب کا زیادہ وقت مولانا شاہ محی الدینؒ کی صحبت میں گزرتا، یا پھر کوئی اردو کی کتاب پڑھتے، مولانا عبدالحلیم شرر کا کوئی تاریخی ناول ان کو مل جاتا، تو اس کو شروع سے آخر تک پڑھ جاتے، سید صاحب کی کوٹھری کے پاس ہی ایک بزرگ مولوی عبداللہ رہتے تھے، ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد معشوق صاحب شاعر تھے، ان کے کمرہ میں شعر وشاعری کا چرچا رہتا تھا، سید صاحب اس مجلس میں ضرور شریک ہوتے، خانقاہ میں قوالی کی محفلیں برابر ہوتی رہتیں، سید صاحب ان میں بھی شوق سے شرکت کرتے، ان کو شعر وسخن سے فطری لگاؤ تھا، مگر اس پر جلا پھلواری شریف کے قیام میں ہوئی''۔۔۔(سید صاحب کی یاد میں معارف نومبر ۱۹۵۹ء مشمولہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نقوش وتاثرات، طلحہ نعمت ندوی، مطبوعہ بہار شریف ۲۰۱۵ء)

خود سید صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''چند ماہ بہار کے مشہور علمی ومذہبی حلقہ خانقاہ پھلواری میں مجھے رکھا گیا، یہاں خانقاہ میں ہر ہفتہ قوالی ہوتی تھی، اس کے اثر سے اس قصبہ میں شعر وسخن کا خاصہ چرچا تھا اور رہے، میں نے بھی اس فضا میں سانس لی، اور یہیں سب سے پہلے میں نے مولوی عبدالحلیم شرر کا ناول ''منصور موہنا'' دیکھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ جس وقت کتاب ختم کی، خوب پھوٹ پھوٹ کر رویا''۔۔۔(حوالہ بالا مضمون سید صاحب، جن سے میں متاثر ہوا۔)

سید صاحب نے خانقاہ کے دونوں بزرگوں امیر شریعت اول حضرت شاہ بدرالدین اور امیر شریعت ثانی حضرت شاہ

محی الدین کی وفات پر جوتعزیتی تحریریں لکھی ہیں ان میں بھی اپنی طالب علمی کا ذکر کیا ہے،اسی طرح حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے تذکرہ میں بھی عقیدت کے ساتھ وہاں کا ذکر کیا ہے۔

یہ اتفاق ہے کہ سید صاحب کے اب تک کے دستیاب مکتوبات میں سب سے پہلا خط وہی ہے جو پھلواری شریف کے دوران طالب علمی لکھا گیا تھا،جوایک مسودہ میں محفوظ تھا اور معارف اعظم گڑھ میں شائع ہو چکا ہے،یہ خط اوپر مذکوران کے چچا اور مشہور بزرگ حضرت شاہ تجمل حسین دسنوی کے صاحبزادے مولانا سید شاہ قاسم دسنوی (م تقریبا۱۳۸۳ھ) کو لکھا گیا ہے۔

"مشفقم مجیم!

سلام علیک

سبب تاخیر جواب یہ ہے کہ خط آپ کا والد کے یہاں بھیجا (۱)،جواب آیا کہ تم ابھی قابل باہر جانے کے نہیں ہو،بعد برسات کے ان شاء اللہ جاؤ گے،مجبور رہا،میں اسباب سفر کے مہیا کر چکا تھا مگر مجبور،ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کو توقف جواب سے رنج ہوا ہوگا اس وجہ سے ایک ماہ سے آپ نے خط وکتابت ترک کیا،خواہاں معافی ہوں۔

مستحق کرامت گنہگار انند

کیوں مولوی صاحب! معاف نہ کیجئے گا؟ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس،صاحب! معاف کیجئے،اچھا صاحب! معاف کیا،فالحمدللہ۔آپ آج کل کون کتاب پڑھ رہے ہیں،میں تو شرح وقایہ پڑھتا ہوں،دعا کیجئے کہ اللہ بنا دے،میں بھی دعا کرتا ہوں،سبق کیسا ہوتا ہے،آپ بھی لکچر دیتے ہیں،ایک تقریر مجھ کو بھی تو لکھ کر بھیج دیجئے گا،میں بھی دیکھوں،میں بھی اپنی تقریر آپ کو سنادوں،ان شاء اللہ ایک دن مولوی سلیمان میں بھی بنوں گا،(۲) لیاقت کچھ پیدا کیا ہے یا نہیں،عربی سمجھ سکتے ہیں،عربی میں خط لکھوں؟

فقط:

محمد سلیمان از پھلواری

۳۰/محرم الحرام ۱۳۱۶ھ ۷/جنوری ۱۸۹۹ء"

دوسری قسط

حقیقتِ زکوٰۃ
انسانی ہمدردی کی عملی تعلیم

● مولانا شاہ محمد عزالدین قادری پھلواروی ؒ

(۳) صدقہ کی ادائے گی کا ایک تیسرا اصول یہ بتایا گیا ہے کہ صدقات میں طیب وحلال اور پسندیدہ مال کا انتخاب کرنا چاہئے اور وہ مال و دولت صدقہ میں دینا چاہیے جو اپنا پسندیدہ و برگزیدہ ہو، کیوں کہ جو مال خود دینے والے کو پسند نہ ہو اور وہ گھٹیا قسم کا مال ہو اسے صدقہ دینے میں کوئی اجر نہیں۔ متبذل اور ادنیٰ درجہ کی چیز دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ دینے والا ادنیٰ اور پست ہمت ہے اور اس کا مزاج حد درجہ چھچھورا ہے کہ معمولی وسڑی گلی چیز تو وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرسکتا ہے اور بہتر و اعلیٰ قسم کا مال اسے اس درجہ محبوب ہے کہ وہ اسے جدا کرنا پسند نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ۔ (البقرۃ: ۹۲)

ترجمہ : تم نیکی (اجر) نہیں پاسکتے جب تک اپنا پسندیدہ مال اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۲۶۷﴾ (البقرۃ)

ترجمہ : اے ایمان والو! اپنی کمائی اور اس چیز سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے بہتر حصہ خیرات کرو اور ردی مال کی خیرات کا ارادہ نہ کرو، کیوں کہ اگر وہ خود تمہیں دیا جائے تو اسے بطیب خاطر تم لینا پسند نہیں کروگے اور یقین جانو خدا تمہاری اس قسم کی خیرات سے بے نیاز ہے۔ وہ خوبیوں والا ہے۔

آیت ماسبق کی شان نزول یہ بتائی جاتی ہے کہ اصحاب صفہ جنہیں خدا کی عبادت اور تعلیم دین کی مشغولیت کی وجہ

سے کسب معاش کا موقع نہیں ملتا تھا، بعض لوگ ان کے لیے کھجور کے سوکھے اور بے ذائقہ خوشے مسجد میں لا کر لٹکا دیتے تھے اور جب وہ گرسنگی کی شدت سے بیتاب ہو جاتے تو مجبوراً اسی سے دو چار کھجوریں کھا لیتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ حرکت ناپسند آئی اور اس نے اس آیت کے ذریعہ اس قسم کی دنی اور ذلیل حرکت پر تنبیہ فرمائی۔

(۴) صدقات دینے میں اس ایک اہم چیز کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ صاحب حاجت کی تلاش کی جائے۔ اہل حاجت میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک وہ جو کھلے بندوں مانگتے اور سوال کرتے ہیں، دوسرے وہ جو باوجود تنگدستی اپنی خود داری وقناعت کو حتی الوسعت ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ مفلس و نادار اصحاب صفہ تھے، لیکن سمجھ دار صحابہ پر ان کی پریشانی کا حال آشکارا ہو جاتا تھا اسی بنا پر قرآن نے ان کو زکوٰۃ وصدقات کا بہترین مستحق قرار دیا۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ (البقرۃ:۲۷۳)

ترجمہ: صدقہ ان محتاجوں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں وقف ہو چکے ہیں۔ سفر کی قدرت نہیں رکھتے (بسبب مشغولیت حصول دین یا تبلیغ دین) ناواقف لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مالدار سمجھتے ہیں۔ آپ ان کے چہرہ سے انہیں پہچانتے ہیں۔ وہ لوگوں سے الجھ کر کچھ نہیں مانگتے۔

صدقہ دینے میں ایسے لوگوں کی تلاش نہایت ضروری ہے۔ اس زمانے میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو شدید حاجت مند ہونے کے باوجود سوال سے پرہیز کرتی ہیں۔ یہ مالداروں کے فرائض میں داخل ہے کہ اس طرح کے اہل حاجت کی تلاش کریں اور انہیں مدد دیں۔

اسی کے ساتھ عام طور پر خیرات کرتے وقت بوڑھے اپاہج، کمزور، اندھے، لولے، لنگڑوں وغیرہ کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ یہ افراد کسب معاش سے معذور ہیں اور ان کو مقدم رکھنے میں، ایسے قوی مسٹنڈے اور کسب معاش کی صلاحیت رکھنے والوں کے لیے ایک عبرت ہے۔ اسلام نے ان پاک اصولوں کے ذریعہ مستحقین کی کتنی صحیح شناخت کرائی ہے، لیکن آج ہم نے ان اصولوں کو پس پشت ڈال دیا جس کی پاداش میں سیکڑوں شریف آدمی دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور قوم وخاندان پر سیاہ داغ لگاتے ہیں اور ہم ان کی زبوں حالی اور سیاہ بختی پر مسرور ہیں۔

صدقہ لینے والوں کے فرائض:

اوپر کے اندراجات تو اس امر کی تفصیل تھی کہ اہل خیر کے فرائض کیا ہیں اور انہیں اللہ کے راستہ میں کن پابندیوں کے ساتھ خیرات کرنی چاہیے۔

لیکن اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جانی چاہیے کہ سوال کا حق شریعت نے کن افراد کو دیا ہے اور سوال کرنے کے لیے کون سے افراد مجبور ہیں اور کن پر سوال حرام ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ گداگری در حقیقت ایک ایسا متبذل اور سخیف فعل ہے، جس کی اجازت انسان کی عزت نفس نہیں دیتی، اس لیے اسلام نے اس شیوۂ نامرضیہ کی اجازت سخت مجبوری کی حالت میں دی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا:

والذی نفسی بیدہ لان یاخذ احدکم حبلة فیحتطب علی ظھرہ خیر له من ان یاتی رجلا فیسأله اعطاہ او منعه۔ (بخاری کتاب الزکوۃ باب الاستعفاف عن المسئلة)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کسی کا رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑی کا بوجھ اٹھانا بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے وہ دے یا نہ دے۔

دوسری حدیث ہے:

لاتحل المسئلة لرجل قوی ولا لذی مرة سوی۔ (ترمذی)

ترجمہ: طاقت وتوانی والے مرد کے لیے بھیک مانگنا حلال نہیں۔

حکیم بن حزام صحابی نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے عنایت فرمایا۔ دوبارہ مانگا، دوبارہ عنایت فرمایا، تیسری مرتبہ پھر سوال کیا، حضرت نے فرمایا حکیم! یہ مال بظاہر نہایت شیریں وخوش رنگ چیز ہے جو اس کو شرافت کے ساتھ لے گا، اس کو اس میں برکت دی جائے گی اور جو لالچ کے ساتھ لے گا، اس کو برکت نہ ملے گی اور اس کی حالت اس کھانے والے کی ہوگی جو کھاتا جائے لیکن اس کا پیٹ نہ بھرے اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نصیحت نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے قلب پر ایسا اثر کیا کہ پھر انھوں نے آخر عمر تک کسی سے کچھ نہ مانگا۔ یہاں تک کہ خلفاء راشدین ان کو ان کا وظیفہ لینے بلاتے تو وہ انکار کرتے اور آخر عمر تک انکار پر قائم رہے۔ (ابوداؤد کتاب الزکوۃ)

آنحضرت ﷺ نے دو ایک دفعہ فرمایا کہ جو مجھ سے یہ اقرار کرے کہ میں کسی سے کچھ مانگوں گا نہیں تو میں جنت کی اس کے لیے ضمانت کرتا ہوں، آپ کے آزاد کردہ غلام ثوبان بولے میں یہ اقرار کرتا ہوں، چنانچہ اس کے بعد انھوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔

حضرت نبی ﷺ نے اس عادت بد کو اس شدت سے روکا کہ بعض لوگوں سے آپ نے اس بات کی بیعت لی کہ وہ کبھی کسی سے کچھ نہ مانگیں گے، چنانچہ بعض صحابہ نے اس کی ایسی زبردست پابندی کی کہ اگر ان میں سے کسی کا کوڑا بھی راستہ چلتے گر جاتا تو کسی سے نہ مانگتے اور اسے بھی سوال ممنوع خیال کرتے۔

نبی کریم ﷺ سے ایک غریب صحابی نے ایک موقع پر کچھ مانگا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے، عرض

کی ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے، آپ ﷺ نے اپنی نگرانی میں اسے نیلام کرایا اور اس کی قیمت سے ایک کلہاڑی خریدی اور فرمایا جنگل سے لکڑی کاٹ لاؤ اور اسے بیچو، انہوں نے اس پر عمل کیا، خدا نے انہیں بے شمار برکت دی اور مفلسی کی مصیبت سے خدا نے ہمیشہ کے لیے ان کو بچالیا۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ مانگنے والوں کے لیے فرمایا:

آدمی ہمیشہ مانگتا پھرتا ہے (اور انجام پر غور نہیں کرتا) حالاں کہ قیامت کے دن وہ اس طرح ہوگا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔

الغرض انسانی جوہر شرافت کی سب سے بڑی گندی بے ضرورت یا عادتاً سوال کرنے کا پیشہ اختیار کرلینا ہے، اسلام نے ایک تنومند مرد وعورت کے لیے محنت ومزدوری، ملازمت تجارت زراعت وغیرہ اسباب زندگی کو برتنے کی پوری تاکید فرمائی اور گداگری کو ایک مذموم اور حقیر فعل قرار دیا، ہاں ان ناداروں کے لیے جو کسب معاش کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ مثلاً بیمار، اندھے، لولے، لنگڑے یا بعض تندرست لیکن ہر قسم کے اسباب معاش سے عاری ان کے لیے سوال جائز قرار دیا ہے اور اس قسم کے لوگوں ہی کے انتفاع کے لیے بیت المال کا نظام قائم کیا۔

معاشی مساوات کا نیا تخیل اور اس کے غیر فطری جذبات :

دنیا میں روٹی کا سوال کم وبیش ہر زمانہ میں رہا ہے، لیکن موجودہ دور جو گذشتہ زمانہ کے لحاظ سے غیر معمولی بے چینی، بے آئینی اور غیر تسکین بخش سرمایہ حیات اپنے جلو میں لایا ہے، اس نے پیٹ اور اقتدار کی خواہشوں کے ماتحت نئے نئے بت تراشے ہیں۔ اشتراکیت، آمریت، فسطائیت، جمہوریت وسرمایہ داری وغیرہ کے نام سے مختلف نظام حیات کے بت تراشے گئے ہیں اور ان کی پرستش کی جارہی ہے، لیکن ان میں بعض تو اقتدار وحکومت کے نشے نے پیدا کئے ہیں اور بعض روٹی اور سماج کی برابری کے جذبہ کے رہین منت ہیں۔ ان میں اشتراکیت یا شوسلزم کی زائیدگی غالباً آخری مقصد کے لیے وجود میں آئی ہے۔

میں چاہتا ہوں تمام نو زائیدہ نظام آپ کے سامنے آئیں پھر اشتراکیت کے غیر فطری معاشی نظام کو نمایاں کرکے اسلام کے اقتصادی اور فطری نظام کو اجاگر کروں اور دنیا کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام انسانی ہمدردی اور معاشی نظام کی کتنی اعلیٰ، دلکش اور صحیح تصویر پیش کرتا ہے۔

نظام سرمایہ داری :

ابتداءً دور جدید نے دولت کے حصول کے لیے مختلف مشینوں کی ایجاد کی، جن سے زرخیز زمینوں کو شاداب پہاڑیوں اور وسیع کاشت کے علاقوں کی دولت کو نئی نئی صنعتی شکلوں کے ذریعہ قابو میں لایا جائے، اس طرح انہوں نے دنیا کی دولت سمیٹنا

شروع کردی اور معاشی پیداوار کے بے انتہا اسباب پر جوان کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھے قبضہ کرلیا اور یہ سرمایہ داری کے نام سے موسوم ہوئی۔اس طرح سرمایہ داری معاشی پیداوار کے ایک ترقی یافتہ نظام کا نام ہوا،لیکن پیداشدہ معاشی سرمایہ کو ملک کے افراد پر کس طرح تقسیم کیا جائے، یہ سوال کبھی اس کے پیش نظر نہیں رہا۔اس نظام کی حکومت ملک وقوم کی معاشی ضروریات سے بہت کم متاثر ہوتی ہے۔جماعتی تفریق، شخصی ملکیت اور سرمایہ دار کا تسلط، معاشی ہیئت ترکیبی کی غیر مساویانہ صورت اس کا ناگزیر نتیجہ ہے۔ان ترکیبوں میں سب سے زیادہ خطرناک چیز لیکن بہت عام (ربوا) سود کا کاروبار ہے۔ربوا کا اصول یہ ہے کہ مال بغیر کسی محنت کے خود انتفاع حاصل کرے اور صاحب مال کسی نقصان کا ذمہ دار نہ ہو، تاجر کتنی ہی ہوشیاری اور محنت سے کام کرے، کاریگر کتنی ہی جفاکشی اور دیدہ ریزی سے چیزیں تیار کرے،لیکن نقصان سے بے خطر نہیں،لیکن سود خوار کسی قدر رقم سود لے اس کا نفع پائدار اور مستقل ہے اور اس کو کسی خطرہ کا اندیشہ نہیں اور نہ اسے کسی معتد بہ محنت سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔اسی طرح خرید وفروخت کی بے شمار ناجائز قسمیں جو صرف کشش زر کے لیے پیدا کی گئی ہیں مثلاً سٹہ یا بغیر مال کے فرضی بیع اور بیع در بیع یہ سب محض سرمایہ جمع کرنے کا ذریعہ ہے، حالاں کہ یہ سب درحقیقت بیع نہیں ہے۔لائف انشورنس یعنی زندگی کا بیمہ، چیزوں کا بیمہ، مکان کا بیمہ وغیرہ یہ سب بظاہر جان ومال کے تحفظ کا ذمہ دار ہے،لیکن اس ذمہ داری کے بدلے بے شمار دولت جمع کرلی جاتی ہے اور یہ دولت کہاں سے سمیٹی جاتی ہے۔مزدور اپنا پیٹ کاٹ کر، کاریگر اپنا خرچ بچا کر، تاجر اپنے نفع ونقصان سے بے پرواہ ہو کر اپنی پونجی ان سرمایہ داروں کے حوالے کردیتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ سرمایہ داری ایک معاشی نظام ہے، پیداوار دولت کا جو بھی اپنی ذاتی اغراض یا مخصوص افراد یا طبقاتی انتفاع کے مفاد کا ضامن ہو، جس میں عوام کا کوئی حصہ نہیں۔

فسطائیت :

یہ صرف ایک سیاسی نظام ہے جو معاشی پیداوار کی تقسیم کی طرف کم توجہ دیتا ہے اور اس کا اصل مقصد قوم کے سیاسی استحکام کو مدنظر رکھنا ہے۔فسطائیت سرمایہ داری کی برائیوں سے خوب واقف ہے۔وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سرمایہ داروں اور مزدوروں کے مفاد ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور وہی ان کے درمیان مسلسل جنگ کا باعث ہیں، مگر وہ سرمایہ داری کو بالکل ختم کرنا نہیں چاہتے۔اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے تو جماعتی اور معاشرتی تفریق مٹا دے۔وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کرسکتے ہیں جس سے سرمایہ دار اور مزدور دونوں کو آئینی دائرے میں رکھ کر ان کے مفاد کی حفاظت ہوسکے، وہ ایک لخت دنیا کے معاشی نظام کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔وہ صرف حکومت یا ریاست کے تخیل کو بدلنے کے لیے بے چین ہیں۔چنانچہ انہوں نے اپنے ماحول میں ایسا کرلیا ہے کہ عوام کے کھانے پینے اوڑھنے بچھانے کی ضروریات ان کے نزدیک اتنی اہم نہیں، جس قدر ریاست کا مقدس تخیل، نیز وہ سمجھتے ہیں ذرائع پیداوار پر شخصی تصرف موجودہ اقتصادی مشکلات کا باعث نہیں، فسطائیت کا کوئی مخصوص فلسفہ نہیں، اس کے قوانین موقع اور محل کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں،

مثلاً اٹلی کی فسطائیت شاہیت کی قائل تھی، وہ نئے ممالک فتح کر کے اپنی قوت کا ثبوت دینا چاہتی تھی، فسطائی سیاست کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی بنیاد جذبۂ نفرت پر ہے، اپنی قوم، اپنی نسل، اپنے کلچر سے محبت اور ہر غیر قومی چیز سے نفرت یہ اس کا بنیادی مسلک ہے، اپنی قوتوں کے عمل اور اظہار کو جغرافیائی حدود کے اندر رکھ کر وہ دنیا اور انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔ الحاصل فسطائیت ایک ایسا نظام ہے جس کے عناصر اعلیٰ قومیت اور عسکریت ہیں، وہ ہر بین الاقوامی تحریک کی دشمن ہے، مظاہرہ قوت ان کے نزدیک زندگی کی دلیل ہے، امن پرستی بے حسی ہے اور سکون و آرام کی زندگی موت، سیاسی نظریوں میں فسطائیت معتدل خیالات کی دشمن ہے۔ یعنی یہ کہ ہر کس و ناکس کو حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کا اختیار ہے، وہ اس سے متفق نہیں ہے، اس کا کہنا ہے کہ چند اشخاص کا اہم معاملات کے حل کے لیے ایک جگہ جمع ہو جانا اس معاملہ کا حقیقی حل نہیں بن سکتا کہ ''از مغز صد خران فکر انسانی نمی آید'' اس کا ہر شخص ریاست کے ماتحت ہے۔ اس کے سیاسی اعمال کی سخت نگرانی کی جاتی ہے۔ تقریر و تحریر کی آزادی اسی حد تک دی جاتی ہے جو مضر نہ ہو، فسطائیت معاشرتی تفریق کے قیام کو حق بجانب سمجھتی ہے، وہ کسی ایسے نظام کو جس کی بنیاد مساوات شکم پر ہو انسانی ارتقا کے لیے ضرر رساں سمجھتی ہے۔

یہ تخیل کہ ان کا ملک بے حد خوبصورت ہے، ان کی قوم روئے زمین پر بے حد بہادر ہے، ان کا کلچر سب سے بہتر ہے، ان کی سائنس نے دنیا کو بے حد فائدہ پہنچایا ہے، یہ اور اسی طرح کے دوسرے تصورات تمام افراد کے دماغوں میں اس طرح داخل کر دیئے جاتے ہیں کہ ان کے ہر معمولی فعل سے یہی احساس برتری ظاہر ہوتا ہے۔ ایک نوزائیدہ قوم کو دنیا کی تہذیب پر مسلط کر دینا ان کا بڑا کارنامہ ہے، گویا فسطائیت سرمایہ داری کی ایک مسخ شدہ شکل کا دوسرا نام ہے۔

جمہوریت :

جمہوری طرز حکومت کے بنیادی اصول شخصی آزادی اور سیاسی مساوات ہیں، جمہوری حکومت رائے عامہ کے مطابق ترتیب دی جاتی ہے۔ چند شرطوں کے ماتحت ہر شخص کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ نظام حکومت میں رائے دے سکے۔ ہر شخص کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی قابلیت سے فائدہ اٹھا کر جمہوریت میں سب سے بڑا عہدہ حاصل کرے۔ مگر جمہوریت بھی ایک سیاسی نظام ہے یہ عوام کی معاشی خرابی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ شخصی ملکیت اور نظام سرمایہ داری کو فنا کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بین الاقوامی امن کی کوشش ضرور کرتا ہے، مگر سماجی امن یعنی ''مساوات شکم'' کی طرف اس کی کوئی خاص توجہ نہیں، کیوں کہ اس کے نزدیک معاشرتی تفریق جائز ہے، اس نظام میں سرمایہ داری کی بقا کے ساتھ مزدوروں کو رعایتیں بھی ضرور دی جاتی ہیں۔ انہیں حق رائے دہندگی بھی حاصل ہوتا ہے، اوقات کار میں تخفیف بھی اس کے مدنظر ہوتی ہے، مگر تمام معاشی و سیاسی قوت پر ساہوکاری مسلط ہوتی ہے۔

آمریت :

یہ بھی ایک سیاسی نظام ہے، شخص واحد اپنی غیر معمولی بصیرت، رائے اور تجربہ کی بنا پر سارے ملک کا مختار کل ہوتا ہے، وہ جس طرح کا نظام حکومت اپنے ملک کے لیے مفید سمجھتا ہے، بروئے کار لاتا ہے، وہ کسی ملک، پارلیامنٹ یا رائے عامہ کے ذریعہ ملک کی حکومت نہیں چلاتا ہے، وہ بسااوقات دیگر اہل فکر سے مشورہ کرلیتا ہے، لیکن وہ کسی جماعت یا شخص کے مشورہ کا پابند نہیں ہوتا۔ جرمنی کی فسطائیت جو اسمًا نازی ازم کہلاتی تھی، اسی نظام کی پابند تھی اس کا آمر ایک منظم جماعت کو عسکری قوت کے سہارے تمام ملک پر قابض رکھنا چاہتا ہے، نازیت کے نزدیک بھی معاشرتی تفریق حق بجانب ہے وہ بھی فسطائیت کی طرح کسی ایسے نظام کو جو مساوات شکم پر مبنی ہو انسانی ارتقا کے لیے مہلک سمجھتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کا نظام حکومت بھی معاشرتی زندگی کی طرف توجہ کرتا ہے، وہ عسکری استحکام، نسلی تفوق اور عصبی تفریق کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور اس کا مختار کل ایک فرد خاص ہوتا ہے، جو اپنی من مانی کارروائی کی اس ملک کو آماجگاہ بناتا ہے۔

اشتراکیت یا سوشلزم :

اشتراکیت یعنی سرمایہ کی مساوی تقسیم کا تخیل کوئی بالکل نیا تخیل نہیں ہے، دنیا کی قدیم تاریخ میں بھی اس قسم کی تحریک کا سراغ ملتا ہے۔ ایک دور یونان پر بھی ایسا گزرا ہے، جب وہاں اقتصادی مساوات کا گیت گایا گیا ہے اور پوری طرح اس معاشرتی تفریق کو مٹانے کی کوشش کی گئی، لیکن یونان کا عقل وتدبر اس چیز میں ناکام رہا، دوسری مرتبہ چھٹی صدی عیسوی میں ایران کے مزدکیوں نے یہ اقتصادی مساوات پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور پورے ایران میں پوری قوت کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ سو برس تک اس کو جاری رکھا، یہی تحریک صنعتی انقلاب کے بعد یورپ میں بھی ابھری اور سوشلزم کے نام سے تمام یورپ پر چھا گئی اور پھر یہی تحریک کچھ عملی تبدیلیوں کے ساتھ روس کے نظام حکومت کی بنیاد قرار دی گئی، یورپ میں ابتداءً کارل مارکس اور انگلز وغیرہ نے اس کا علم اپنے ہاتھ میں لیا، کارل مارکس کی کوششوں نے ۱۸۴۸ء میں لندن کے اندر اشتراکیوں کی ایک سوسائٹی قائم کی اور پھر ان دونوں نے باہم مشورہ کرکے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی، اس کانفرنس کے بعد ایک اشتراکی انجمن قائم کی گئی، جس کا مقصد بورژدا (متوسط) طبقہ کو بالکل نیست ونابود کرکے اس کے اثر کو زائل کردینا تھا اور ایک ایسی سطح پیدا کرنی تھی جس میں غریب وامیر کی تفریق مٹ جائے اور شخصی ملکیت کا خاتمہ ہو ۱۸۴۸ء میں اشتراکیوں کا ایک منشور شائع کیا گیا جس کا اولین مقصد متوسط طبقہ کے مقابلہ میں کاشت کاری اور مزدور یعنی طبقہ عوام کو لانا تھا۔

اس منشور کی اہم دفعات یہ ہیں :

(۱) جائداد کا بشکل زمین یا جاگیر خاتمہ کرنا۔

(۲) آمدنی پر مزید انکم ٹیکس۔

(۳) وراثت کے تمام حقوق ختم کرنا۔

(۴) لین دین کے تمام معاملات کو پورے اختیارات کے ساتھ حکومت کے ہاتھ میں بذریعہ ایک قومی بینک کے دے دینا۔

(۵) حکومت کے مملوکہ ومقبوضہ کارخانوں نیز ذرائع دولت میں توسیع۔

(۶) تمام افراد کو یکساں کام کرنے کے لیے مجبور کرنا۔

(۷) نقل وحمل کے ذرائع ورسائل کا حکومت کے قبضہ میں ہونا۔

(۸) زراعت کا صنعتوں سے مدغم کر دینا۔

(۹) تمام بچوں کو عام مدرسوں میں مفت تعلیم دلانا اور کارخانوں میں بچوں سے کام لینے کے طریقہ کو ختم کرنا۔

اس کے بعد پہلی بین الاقوامی اشتراکی کانفرنس لندن میں ہوئی، اس کے بعد ۱۸۷۳ء تک مختلف کانفرنسیں منعقد ہوتی رہیں جن میں مختلف یورپین ممالک کے نمائندے شریک ہوائے اور کانفرنسوں کے نتیجہ میں مزدوروں میں سیاسی لہر دوڑ گئی اور سرمایہ دار اور مزدوروں کی باہمی منافرت کا آغاز ہوگیا۔ اشتراکیت تمام یورپ میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگی اور چوں کہ صنعتی اسباب انقلاب نے بڑی بڑی مشینیں ایجاد کردی تھیں، اس لیے کارخانہ دار سرمایہ دولت وزر کے مالک بن بیٹھے۔ لاکھوں مزدوران کارخانوں میں کام کرتے تھے اور محض پیٹ بھرنے کے لائق اجرت پاتے تھے۔ دوسری طرف سرمایہ دار اور مالکان مل کارخانہ دار کروڑوں روپے میں کام کرتے تھے اور عالیشان محلوں میں رہتے تھے، اس کا قدرتی اثر یہ ہوا کہ سماج دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک سرمایہ دار، دوسرا مزدور یا کارکن طبقہ، مزدوروں کی زبوں حالی نے ان اشتراکیوں کے لیے میدان صاف کر دیا اور انہوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر کارخانہ دار وسرمایہ دار کے خلاف یہ کہہ کر منافرت پھیلانا شروع کر دیا کہ کام تمام کرو۔ محنت تمہاری ہو، لیکن یہ سرمایہ دار تمہاری محنت سے فائدہ اٹھا کر داد عیش دیں تم ان سے انتقام لو۔

اشتراکیت کے اصول:

کارل مارکس نے ۱۸۶۷ء میں اپنی کتاب ”کیپیٹل “،” سرمایہ“ لکھی جو اشتراکیت کی اصل کہلاتی ہے اور جس سے اشتراکی نظریہ کا ہمیں صحیح علم ہوتا ہے، اس کتاب میں اس کا بنیادی بیان یوں شروع کیا گیا ہے: قانونی تعلقات حکومت کی قسمیں، رسوم وعادات مذہب وفلسفہ ہمیشہ ان مادی حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں، جن میں انسانوں نے اپنے آپ کو گھرا پایا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی ارتقا اور نشوونما کی تاریخ کوئی خاص چیز نہیں، بلکہ یہ مختلف طبقات انسانی کے جنگ کی ایک داستان ہے، جس

میں برسر اقتدار نے ہمیشہ اپنے مفاد کو مدنظر رکھ کر معاشرتی اور تمدنی اداروں کو بدل ڈالا ہے۔

الغرض مارکس کے تین بنیادی نظریے یا اصول ہیں:

(۱) قانونی تعلقات، حکومت کی شکلیں، رسوم و عادات، مذہب و فلسفہ محض ابتدائی مادی حالات کے نتیجے ہیں۔ انسانی ارتقا ونشو ونما مختلف طبقات کے جنگ کی ایک داستان ہے۔ برسر اقتدار طبقہ نے ہمیشہ اپنے مفاد کو مدنظر رکھ کر معاشرتی اور تمدنی ادارے کو بدلا ہے۔

(۲) طبقہ دارانہ جنگ انسانی سوسائٹی اور انسانی ارتقا کے لیے ناگزیر ہے، موجودہ سوسائٹی میں سرمایہ کے ایک جگہ یا چند جگہ جمع کر دینے کے سبب سے دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں، ایک بورژوا یا سرمایہ دار دوسرا پرولتاریہ یعنی عامل (کارکن) ان دونوں طبقوں کے مفاد کبھی ایک نہیں ہو سکتے، نئی انسانی سوسائٹی اس وقت تک نہیں بن سکتی، جب تک ایک ایسا انقلاب نہ برپا ہو کہ بورژوا طبقہ پر کارکن طبقہ پوری طرح غلبہ پا لے۔

(۳) محنت ہی دولت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ منافع اور بچت کی رقم پر مزدور طبقہ کا حق ہے، نہ کہ سرمایہ دار طبقہ کا۔

"کیپٹل" میں اشتراکیت کا تیسرا نظریہ، یہ اشتراکیت کی جان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ محنت ہی دولت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور دولت جس نے اس کے حاصل کرنے میں محنت کی ہے، اس کی ملک ہے، اس لیے سرمایہ دار مزدوروں سے محنت لے کر جو تھوڑی رقم مزدوری کی صورت میں ان کو دیتے ہیں، اور بقیہ منافع و بچت خود ہضم کر جاتے ہیں۔ یہ ان کی رقم نہیں کہی جا سکتی، کیوں کہ انہوں نے اس کے حاصل کرنے میں کوئی محنت نہیں کی ہے، اس لیے کل رقم مزدوروں کی ہے، جنہوں نے اپنی محنت سے اسے پیدا کیا ہے۔

یہ تو مارکس کے اصول تھے، جن سے آپ نے مذہب، فلسفہ، حکومت کی ہیئت ترکیبی اور رسوم و عادات کے متعلق اس کی رائے معلوم کی لیکن اخلاقیات کے متعلق بھی آپ اشتراکیت کے ایک ڈکیٹیٹر کا نظریہ معلوم کر لیں۔ "لینن" نے اپنے دوست "کارگی" کے اس سوال کے جواب میں کہ "کیا اس کے پاس کوئی اخلاقی اصول نہیں ہے" کہا کہ میرے دوست تم سے کس نے کہا کہ میں نے کبھی اخلاق پر اعتقاد رکھا یا کوئی اخلاقی اصول اپنے پیش نظر رکھا۔

اسی لینن نے ایک دوسرے دوست کو یہ کہنے میں کبھی کوئی تامل نہ کیا کہ اخلاق و اعزاز کا ہمارے آئین میں کوئی وجود نہیں ــــ (پان اسلامزم اینڈ سوشلزم مسٹر مشیر حسین قدوائی)

لینن کے خاص دوستوں اور دوش بدوش کام کرنے والوں نے جب ناجائز رقم لینے کی مخالفت کی اور اسے جرم ٹھہرایا تو اس نے کہا: "میں یہ روپئے ضرور لوں گا، کیا تم بھی نیک چلنی اور دیانت داری کے معاملے میں بورژوا طبقے کے ہم خیال ہو۔ تم نے اس وقت مجھے کیوں سراہا، جب کہ میں نے ٹیلے کے ڈاک خانہ پر دھاوا کر کے چند ہزار روبل حاصل کئے تھے۔ تم اس

بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ روپئے صرف متوسط طبقے کے نہ تھے، بلکہ غریب کسانوں اور تباہ حال مزدوروں کے بھی تھے۔ اس کے باوجود تم نے تحسین و آفریں کے نعرے بلند کیئے۔ دوستو! ان باتوں کو چھوڑو اور جائز و ناجائز صحیح اور غلط کے متعلق سرگرداں اور پریشان نہ ہو۔"

''ایف وائی آسن ڈاسکی'' اپنی کتاب موسوم بہلینن میں لکھتا ہے کہ لینن کے والسس سے جعلی روسی نوٹ بنا دینے کی فرمائش کی والسس نے ایسا کیا اور دس دس روبل کے پانچ سو جعلی نوٹ بنا دیئے، لینن نے اس کا دلی شکریہ ادا کیا اور ان جعلی نوٹوں کو نائیڈ ووں میں تبدیل کر لندن لے گیا اور وہاں رجسٹر کا فرضی جرمن نام اختیار کیا۔ اتفاقاً ایک موقع پر ٹراٹسکی نے اظہار افسوس کیا کہ ہم اشتراکیوں کی حیثیت ایک باغی گداگر گروہ سے زیادہ نہیں، تو لینن نے ان الفاظ میں اسے تشفی دی کہ گھبراؤ نہیں، ہمارے پاس سرکاری مطبع ہے جو غیر ملکی نوٹوں کی کسی تعداد کو تیار کر سکتا ہے یعنی جعلی نوٹ بنا سکتا ہے۔

غور کیجئے وہ اشتراکیت جو انسانوں میں عدل و انصاف اور مساوات رزق کی عملی جلوہ گری کی خواہش مند ہے۔ اخلاقیات کے بارے میں کس قدر تہی مایہ ہے۔

مشرقی ملکوں کا تقلیدی سوشلزم جسے بڑے لمبے چوڑے دعووں اور دلفریب فسوں کاری کے ذریعہ عوام کے دل و دماغ پر مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، وہ بھی اخلاقیات، مذہب اور انسانی جوہر کمال سے بالکل عاری ہے اور ماسکو کا یہ جھگڑا مشرق کے طول و عرض میں بڑی ہوشیاریوں چابک دستیوں کے ساتھ تمام اعلیٰ جذبات انسانیت پر خس و خاشاک ڈالتا ہوا پھیل رہا ہے اور لینن وٹراٹسکی کی ذریت اسے کامیاب ترین مقصودِ حیات بتارہی ہے، لیکن اس کے پس منظر جو کچھ ہے وہ پیش نظر لایا جاتا ہے۔ اگر چہ مشرقی ملکوں کے سوشلسٹ صاف لفظوں میں مذہب کی مخالفت کا اعلان کرنا نہیں چاہتے، لیکن حقیقت کبھی نہ کبھی سورج کی طرح نمایاں ہو کر رہتی ہے۔ ایک سوشلسٹ نے ناچار اپنے ضمیر کی آواز عریاں کر دی اور وہ ایسا کرنے کے لیے مجبور تھا۔

میرٹھ کے مشہور مقدمہ سازش کا ایک ملزم مسٹر ادھیکاری نے عدالت کے سامنے جو بیان دیا تھا وہ حسب ذیل ہے:

''مارکس کے پیرو اور مادہ پرست ہونے کی حیثیت سے ہم مذہب کے قطعی مخالف اور خدا کے منکر ہیں، مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذہب کے خلاف ایک نظری اور خیالی پروپیگنڈہ کرنے سے مذہب فنا نہیں ہو سکتا۔ لینن اس بات پر زور دیتا ہے کہ مذہب کے خلاف جدو جہد طبقاتی جنگ کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔''

چنانچہ کارخانہ دار اور مزدور، زمیندار اور کسان کی طبقاتی جنگ ہندوستان میں سوشلسٹوں نے شروع کر دی اور سامراج کے نام سے ہر قسم کے سرمایہ دار کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا کھلے الفاظ میں درس دیا جانے لگا۔ آگے چل کر مسٹر ادھیکاری اپنے بیان میں کہتے ہیں:

''استیصال مذہب کی تبلیغ کے بارے میں ہماری جو روش ہے اسے واضح طور پر اشتراکیوں کی انجمن کے

پانچویں اجلاس نے حسب ذیل الفاظ میں صاف اور واضح کر دیا ہے۔

”بورژوا طبقہ کے پھیلائے ہوئے تعصبات و توہمات کے خلاف جدوجہد کے جتنے شعبے ہیں، ان میں سب سے زیادہ ضرورت مذہب کے خلاف جنگ کی ہے، مگر یہ جنگ نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے ہونی چاہیے، خصوصاً محنت کش عوام میں جن کی روزمرہ کی زندگی میں مذہب سرایت کئے ہوئے ہے اور ان میں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں“۔

اشتراکیوں کے نزدیک مذہب بورژوا طبقہ کی پیداوار ہے۔ بورژوا طبقہ سے مراد وسط درجہ کے خوش حال لوگ ہیں۔ اسی طبقہ نے عوام کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے ان کی آنکھوں پر مذہب کی پٹی باندھ دی ہے“۔

مسٹر ادھیکاری کے بیان سے حسب ذیل باتیں بالکل صاف ہوگئیں:

(۱) ہندوستان کے سوشلسٹ مذہب کے دشمن خدا کے منکر اور مارکس کے پیرو ہیں۔

(۲) مذہب کو فنا کرنے کے لیے محض پروپیگنڈہ کافی نہیں بلکہ اس کے لیے عوام وخواص کے درمیان غریبی اور روٹی کے نام سے طبقاتی جنگ برپا کرنا نہایت ضروری ہے۔

(۳) ادنیٰ طبقہ کی روزمرہ کی زندگی میں اوسط طبقہ کے زور سے مذہب نے اس قدر گہری جڑ پکڑ لی ہے کہ مذہب کے خلاف نہایت احتیاط سے جنگ کرنی چاہیے، ورنہ کھلے لفظوں میں مذہب کی مخالفت سے وہ بھڑک اٹھیں گے اور کام خراب ہوجائے گا۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ”المجیب“ کے لئے جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہو، تاکہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کمپوز کرا کر ارسال کریں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں۔ مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

گفتگو سے متعلق قرآن کی اخلاقی تعلیمات

● مولانا طفیل احمد مصباحی — سابق مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

اللہ رب العزت کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نطق اور انسان کو دی جانے والی قوت گویائی بھی ہے۔ انسان کو دیگر حیوانات پر جو فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اس کا ایک بنیادی سبب قوت ناطقہ بھی ہے۔ قرآنِ مقدس کی سورۂ رحمٰن کے آغاز میں انسان کی تخلیق کے ساتھ اس کو ''قوتِ بیان'' بخشنے کی بھی بات کی گئی ہے۔ لفظ ''بیان'' میں بڑی وسعت و معنویت ہے۔ بیان زبان و کلام سے زیادہ بلیغ اور معنیٰ خیز لفظ ہے۔ کلام بیان کا ایک حصہ ہے۔ کلام میں وہ گہرائی نہیں جو بیان میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام انسان کی معمولی گفتگو کو بھی ''کلام'' کہہ دیا جاتا ہے، لیکن ''بیان'' غیر معمولی کلام ہوتا ہے۔ انسان کی محیر العقول صلاحیتوں میں سے اعلیٰ درجے کی جو صلاحیت مانی جاتی ہے، وہ اس کی قوتِ بیان اور طاقتِ گویائی ہے۔ علمِ منطق اور جدید سائنس کی رُو سے انسان بھی ''حیوان'' ہی ہے، لیکن قوتِ گویائی کی بدولت اسے ''حیوانِ ناطق''، یعنی ''بولنے والا حیوان'' کہا جاتا ہے۔ قوتِ گویائی کے علاوہ انسان کو قوتِ تفہیم و استفہام بھی بخشی گئی ہے، جس کے سہارے وہ دوسروں کی باتیں سمجھتا بھی ہے اور اپنی باتیں دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ آیتِ کریمہ: خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ وَعَلَّمَهُ الۡبَيَانَ میں مذکور ''انسان و بیان'' کے مفہوم و مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں انسان سے مراد انسانیت کی جان سرورِ کائنات عالم حضور مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے اور بیان سے ''علمِ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن'' مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں ''انسان'' سے مراد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ''بیان'' سے تمام چیزوں کے اسما اور تمام زبانوں کا علم مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں انسان سے اس کی جنس یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی تمام اولاد مراد ہے اور بیان سے مراد گفتگو کی صلاحیت ہے، جس کی وجہ سے انسان دیگر حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر خازن و تفسیر صاوی کی جانب رجوع کریں۔

بیان کا تعلق حال کے احساسات، ماضی کے واقعات و تجربات اور بسا اوقات مستقبل کے اندیشوں سے بھی ہوتا ہے۔ گفتگو سے انسان کی سیرت و کردار اور اس کی تہذیب و تربیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اچھی گفتگو اچھے لوگوں کی پہچان ہے اور بُری گفتگو

بُرے لوگوں کی بُری طبیعت کا اشاریہ ہے۔ روزمرہ زندگی میں گفتگو اور اچھی گفتگو کی بڑی اہمیت وافادیت ہے۔ حلاوت بھری گفتگو انسان کو سماج میں معزز ومکرّم بنادیتی ہے اور تلخ وترش بولی انسان کی بدخُلقی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ حق اور کڑوی باتیں بھی نرم لہجے میں برداشت کرلی جاتی ہیں اور سخت لہجے میں کہی گئی اچھی باتیں بھی مخاطب پر گراں گذرتی ہیں اور بری لگتی ہیں۔ انسان کو قوتِ گویائی دیے جانے کا مقصد یہی ہے کہ اس کی زبان سے اچھی گفتگو نکلے۔ اس کی گفتگو کا لہجہ نرم اور سنجیدہ وشائستہ ہو۔ اچھی گفتگو کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر حدیثِ پاک میں زبان کی حفاظت کا حکم مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے۔ بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔

ترجمہ : حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

نیز فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

من سکت أو صمت نجا۔

ترجمہ : جو خاموش رہا، اس نے نجات پائی)۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

من کان یؤمن باللہ و الیوم الآخر فلیقل خیراً أو لیصمت۔

ترجمہ : جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ بھلائی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

غرض کہ ''قوتِ گویائی'' اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کی جانے والی نعمتوں میں ایک عظیم نعمت اور غیر معمولی سرمایہ ہے، جس کا مناسب، برمحل اور درست استعمال ضروری ہے۔ قرآنِ مقدس سراپا ہدایت ہے۔ اس کی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ قرآن اللہ رب العزت کی وہ لافانی کتاب ہے، جس میں تمام بنی نوعِ انساں کے لیے رشد وہدایت اور فوز وفلاح کا راز پوشیدہ ہے۔ قرآن نے جہاں ایمان باللہ، توحید و رسالت، حیات بعد الممات، حشر ونشر اور شرعی احکام ومسائل کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے، وہیں اس نے ہمیں اخلاقیات کا بھی درس دیا ہے۔ قرآن کی اخلاقی تعلیمات میں سے ایک ''قولِ حسن''؛ یعنی اچھی گفتگو کرنا بھی ہے۔ اچھی بات اور اچھی گفتگو ایک صالح اور صاف وشفاف معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ گفتگو اور بات چیت سے متعلق قرآن کا پاکیزہ درس اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اچھی گفتگو سے متعلق قرآن نے مختلف انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ کہیں ''قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' کہہ کر اچھی گفتگو کی رغبت دلائی ہے۔ کہیں ''قَوْلًا مَّعْرُوْفًا'' اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہیں ''قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا'' کہہ کر صاف ستھری اور سیدھی بات کہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کہیں ''قَوْلًا مَّيْسُوْرًا'' کا فرمان آیا ہے تو کہیں ''قَوْلًا بَلِيْغًا'' کا درس دیا گیا ہے اور کہیں ''قَوْلًا كَرِيْمًا'' کہہ کر ہمیں اچھی گفتگو کرنے

اور اچھی بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔قرآن کی یہ وہ اخلاقی تعلیمات ہیں، جن پر عمل کر کے ہم دنیا وآخرت کی زندگی کو کامیابیوں سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔اس اجمال کی قدرے تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) آواز پست رکھنا اور اونچی آواز میں گفتگو نہ کرنا :

ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا، اونچی آواز میں گفتگو کرنا، گدھے کی طرح چلّانا اور شور مچانا، ایک ناپسندیدہ عمل ہے، جس کی قرآن نے مذمت فرمائی ہے۔جو لوگ بلا وجہ چیختے چلاتے اور شور مچاتے ہیں، قرآن نے اس کی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝۱۹ ـــ (اللقمان)

ترجمہ : اور اپنے چلنے میں درمیانی چال سے چل اور اپنی آواز پست رکھ، بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

مذہبِ اسلام ایک معتدل مذہب ہے، یہ افراط وتفریط کو پسند نہیں کرتا۔اس لیے قرآن نے جہاں چلنے پھرنے میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، وہیں گدھے کی طرح چیخنے چلانے اور سمع خراشی سے منع کیا ہے۔اسی طرح بلا ضرورت گفتگو اور ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا بھی غیر محمود عمل ہے، جس کو اسلام ناپسند کرتا ہے۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن جابر رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من أحبّكم إليّ و أقربكم مني مجلسًا يوم القيامة أحاسنكم أخلاقًا، و إنّ أبغضكم إليّ و أبعدكم مني يوم القيامة الثرثارون و المتشدّقون والمتفيهقون، قالوا: يا رسول الله، قد علمنا الثرثارون والمتشدقون، فما المتفيهقون قال: المتكبّرون ـــ (جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ جلد چہارم، حدیث نمبر:۲۰۱۸، مطبوعہ: مکتبۃ مصطفیٰ البابی وأولادہ، مصر)

ترجمہ : بے شک تم میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک قیامت کے دن وہ لوگ ہوں گے جو تم میں زیادہ اچھے اَخلاق والے ہوں گے اور تم میں سب سے زیادہ ناپسند اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ دور ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتیں کرنے والے، لوگوں سے زبان درازی کرنے والے اور تکبر کرنے والے ہوں گے۔

(۲) اچھی بات کرنا:

حدیث پاک میں ہے:

ان اللہ جمیل یحب الجمال۔

ترجمہ : اللہ رب العزت جمیل ہے اور جمیل (خوب صورت کام) کو پسند کرتا ہے۔

اسی کے پیشِ نظر اللہ ورسول کو ہمارے ہر کام میں ”حسن“ مطلوب ہے۔کوئی بھی کام ہو، وہ اچھا ہو۔عمل اچھا ہو، کام اچھا ہو،

گفتگو اچھی ہو، عبادت اچھی ہو، سیرت اچھی ہو، کردار اچھا ہو، اخلاق اچھے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ گفتگو سے متعلق قرآن کا اخلاقی درس یہ ہے کہ ہم لوگوں سے اچھی گفتگو کریں اور اچھے انداز میں گفتگو کریں۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴿۸۳﴾ —(البقرہ)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو لیکن پھر تم میں سے چند آدمیوں کے علاوہ سب پھر گئے اور تم (اللہ کے احکام سے) منہ موڑنے والے ہو۔

اللہ عزوجل کی عبادت، نماز، روزہ کی ادائیگی، والدین کی خدمت و اطاعت، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور لوگوں سے اچھی بات کہنا، یہ وہ اعمالِ حسنہ ہیں، جن کی انجام دہی کا مکلف یہودیوں کو بھی بنایا گیا تھا اور آج مسلمان بھی ان امور کے مکلف ہیں۔

(۳) قولِ سدید یعنی صاف اور سیدھی بات کرنے کا حکم:

یٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ﴿۷۰﴾ يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۱﴾ —(الاحزاب)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے، اس نے بڑی کامیابی پائی۔

اس آیت کریمہ میں ایمان والوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ درست، سچی اور حق بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق کی رعایت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، سچی بات، درست کلام، حق اور انصاف کی بات کہا کرو تو ان دونوں عمل خیر کے صدقے میں اللہ تمہارے دیگر اعمال کو سنوار دے گا اور تمہیں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کی توفیق بخشے گا، جن کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی کامیابی و سرخروئی تمہارے ہاتھ آئے گی۔ تقویٰ اور قولِ سدید (درست گفتگو/اچھی بات) چوں کہ نیکیوں کی جڑ اور بھلائیوں کی اصل ہے، اس لیے آیت میں خصوصیت کے ساتھ ان دونوں کی تعلیم و تلقین کی گئی ہے۔ "قولِ سدید" یعنی درست بات کہنے میں جھوٹ، غیبت، چغلی اور دیگر آفاتِ لسان سے بچنا سبھی شامل ہیں۔ زبان کی حفاظت سے متعلق یہ دو حدیث پاک ملاحظہ کریں:

عن أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِي رَفَعَهُ قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ، فَإِنَّ الأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ: اتَّقِ اللهَ فِينَا، فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا —(جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، جلد: ۴، ص: ۶۰۵/۶۰۶، حدیث نمبر: ۲۴۰۷، مطبوعہ: مصطفیٰ البابی و اولادہ، مصر)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب انسان صبح کرتا ہے تو تمام اَعضائے جسمانی صبح کے وقت زبان سے کہتے ہیں : ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک اور سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ : حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ سے زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کا وعدہ کرے، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں ۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے ۔ترمذی شریف میں ''یضمن'' کے بجائے ''یتکفل'' کا صیغہ آیا ہے۔

(۴) قولِ لیِّن / نرم گفتگو کرنا :

قرآن مقدس نے جہاں ہمیں اچھی گفتگو، پست اور معتدل آواز میں بات کرنے کا حکم دیا ہے، وہیں تکلم میں نرمی اور سنجیدہ لہجہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے ۔نرم گفتگو اور نرم لہجے میں بڑی تاثیر ہوا کرتی ہے ۔عام روزمرہ زندگی کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے میدان میں اس کی بڑی اہمیت ہے ۔حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کو من جانب اللہ یہ حکم ہوا تھا کہ جب فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے نرم گفتگو کرو، تاکہ اس پر اچھی باتوں کا کچھ اثر ہو سکے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝۴۴ — (طه)

ترجمہ : تو اُس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین کی تبلیغ نرمی کے ساتھ کرنی چاہیے اور واعظین ومبلغین کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو محبت، شفقت اور پیار بھرے انداز میں نصیحت کرے ۔کیوں کہ نرمی سے کی گئی نصیحت کے خاطر خواہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں ۔ دعوت وتبلیغ کے علاوہ دنیوی معاملات میں بھی جہاں تک ہو سکے، ہمیں نرمی سے کام لینا چاہیے ۔قرآن مقدس کے علاوہ حدیث پاک میں بھی نرمی کی بڑی فضیلت آئی ہے ۔مسلم شریف، کتاب البر، باب الرفق، حدیث نمبر: ۲۵۹۳ میں ہے:

یا عائشة ! ان الله رفیق یحب الرفق و یعطی علیٰ الرفق ما لا یعطی علی العنف

ترجمہ : اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ رفیق (نرمی اختیار کرنے والا) ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جو دیتا ہے، وہ سختی پر نہیں دیتا۔

نیز اسی میں ہے:

من یحرم الرفق یحرم الخیر کله۔

ترجمہ : جو نرمی سے محروم رہا وہ ساری بھلائیوں سے محروم رہا۔

(۵) قولِ میسور / آسان بات کرنے کا حکم :

درست اور صاف ستھری گفتگو کے علاوہ قرآن مقدس نے ہمیں آسان گفتگو کا بھی حکم دیا ہے۔ کلموا الناس علیٰ عقولھم (لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو) کا مطلب بھی یہی ہے۔ کچھ لوگوں کو صلاحیت بگھارنے اور اپنی قابلیت کا جوہر دکھانے کا بڑا شوق ہوتا ہے اور وہ اپنی گفتگو میں جان بوجھ کر سخت اور مشکل الفاظ استعمال کرکے سامنے والوں کو مرعوب کرنے کی ناروا کوشش کرتے ہیں۔ قرآن اس طرزِ تکلم کو پسند نہیں کرتا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو قولِ میسور؛ یعنی آسان گفتگو کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ کیوں کہ گفتگو کا مقصد مافی الضمیر کی ادائیگی ہوتا ہے، نہ کہ مشکل الفاظ وتراکیب کا استعمال کرکے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ —— (الاسراء)

ترجمہ : تو ان سے آسان بات کہو۔

(۶) قولِ بلیغ / پُرتاثیر گفتگو اور دل میں اتر جانے والی بات کا حکم :

گفتگو سے متعلق قرآن کی اخلاقی تعلیمات کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ مخاطَب سے قولِ بلیغ یعنی پُرتاثیر گفتگو اور دل میں اتر جانے والی بات کی جائے۔ جیسا کہ قرآن ناطق ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ —— (النساء)

ترجمہ : ان کے دلوں کی بات تو اللہ جانتا ہے پس تم ان سے چشم پوشی کرتے رہو اور انہیں سمجھاتے رہو اور ان کے بارے میں ان سے پُرتاثیر کلام کرتے رہو۔

(۷) قولِ کریم کا حکم :

گفتگو کی بابت قرآن میں ایک جگہ "قول کریم" کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ "قول کریم" کا مطلب ہے: ایسی گفتگو جس سے شرافت ومروت، حسنِ ادب اور ملائمت (نرمی) مترشح ہوتی ہو اور وہ لطف ومہربانی اور خیرخواہی پر مشتمل ہو۔ اگر چہ یہ حکم والدین کریمین کے متعلق آیا ہے، لیکن اس کے اندر عمومیت پائی جاتی ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ —— (الاسراء)

ترجمہ : اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے

خوب صورت، نرم بات کہنا۔

غرض کہ گفتگو سے متعلق قرآنی کی اخلاقی تعلیمات بڑی مؤثر حکمت سے لبریز، معنیٰ خیز اور دل پذیر ہیں۔ ان تعلیمات کو اپنا کر ہم دین و دنیا کی سعادتوں اور برکتوں سے مالامال ہو سکتے ہیں اور ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ جنگ و جدال، لڑائی جھگڑا، اختلاف وانتشار، آپسی رسہ کشی اور باہمی دشمنی کی ایک بڑی وجہ ہماری زبان سے ادا ہونے والے غیر مناسب الفاظ و کلمات بھی ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبان مہذب، گفتگو نرم، لہجہ سنجیدہ اور تکلم شائستہ رکھیں۔ گفتگو سے متعلق قرآنی ارشادات و ہدایات پر عمل کر کے اختلاف و نزاع کی خلیج کو ہم بہت حد تک پاٹ سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہم سب کو قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ ''المجیب''، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان ـــــ ایک دینی، علمی و ادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین و متعلمین، افسران و عہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے ـــــ اور ہر طبقہ و جماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں ـــــ اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	4,000/-	نصف صفحہ	2,000/-	چوتھائی صفحہ	1,000/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	3,000/-	نصف صفحہ	1,500/-	چوتھائی صفحہ	750/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جا سکے۔

PhonePe & GPay : +91-7250433562

دیوان فرد دفتر دوم کا ایک اہم حصہ

قطعات تواریخ

● محمد یمین اللہ قادری ــ متعلم جامعہ عارفیہ سید سراواں کوشامبی (الہ آباد)

نورچشم عزیز الوجود مولوی محمد یمین اللہ سلمہ صاحب زادۂ گرامی جناب حضور مدظلہ العالی؛ خانقاہ مجیبیہ کے سلیل العلم والسیادت ہیں، جامعہ عارفیہ سید سراواں میں عربی کے متوسط درجہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، مدرسہ اور گھر کے علمی ماحول نے اسلاف کی روش کا ان میں ذوق بخشا ہے، حضرت فرد کے دیوان میں مذکور قطعات تواریخ کو موصوف نے ذاتی ذوق سے یکجا لکھ کر کچھ باتیں ان قطعات کے تعارف میں اپنی وسعت کے مطابق لکھی تھیں اور اپنے والد گرامی جناب حضور مدظلہ کو دکھا کر مضمون کی اصلاح کرائی تھی، موصوف کی علمی تشویق اور فکر وفن میں صلابت واستحکام نیز صحت وعافیت کی دعا کی درخواست کے ساتھ ان کی یہ اولین کاوش المجیب کے قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے ــ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صوبۂ بہار کا مردم خیز قصبہ پھلواری شریف میں علم وعرفان اور تصوف کے ساتھ شعر وسخن اور زبان وادب کی تاریخ بہت قدیم رہی ہے، اکابرین خانوادۂ زینبی وجعفری نے زبان وادب اور سخن شناسی کے ذریعہ بھی دین متین کی ترویج واشاعت اور آبیاری میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔

صوبۂ بہار میں ہمارے بزرگوں کا اپنے اپنے تابناک دور میں علم وادب کی خدمات میں اہم کردار رہا ہے اور ہمارے اکابر نے اس اہم موضوع کے فروغ وارتقا میں اس کی افادیت ومقبولیت کو بھی تقویت ووسعت عطا کی ہے۔

دنیائے علم وادب میں شعر وشاعری کو ایک اہم درجہ حاصل ہے، اکابرین پھلواری شریف نے علم وعرفان کی خدمات کے ساتھ شاعری وانشاپردازی پر بھی خوب خوب طبع آزمائی کی ہے، اس فن میں ہمارے بزرگوں کو انفرادی حیثیت حاصل رہی ہے،

ہمارے نانا ابا عمدۃ المتوکلین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ فی البدیہہ تاریخ گوئی میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ عہد حاضر میں ابی وشیخی جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری، مشفق مکرم منجھلے دادا (ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری)، منصور نانا (حضرت مولانا شاہ بدر احمد مجیبی، جن کی بے شمار عنایتیں وشفقتیں اس ناچیز کے ساتھ ہیں، جنہوں نے اس مبتدی طالب علم کو مسلسل بالاولیہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور قرآت وسماعت حدیث کے بعد اجازت نامہ سے بھی سرفراز فرمایا، متع اللہ تعالیٰ بطول بقائہم المسلمین)، استاذی و مشفقی عاصم ماموں (مولانا حافظ شاہ محمد فصیح الدین عاصم زینبی قادری) مدظلہم ودامت برکاتہم کو تخریج مادۂ تاریخ و قطعات تواریخ کا اچھا خاصا ملکہ حاصل ہے۔

حضرت سیدنا فرد الاولیاء مخدوم شاہ ابوالحسن فردؔ پھلواروی قدس سرہٗ کو تصوف، احسان، علم وعرفان، مقام ولایت کے ساتھ ساتھ شعر وسخن میں بھی نمایاں مقام حاصل ہے، اس وقت ہمارا موضوع حضرت مذکور کے دیوان مسمی بہ ’’دیوان فرد‘‘ کے دفتر دوم سے تاریخی قطعات کو سپرد قرطاس کر کے قارئین المجیب کے لیے پیش کرنا ہے، ایسے تو تاریخی قطعات کو شعر وسخن کے صنف میں ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، دیوان فرد کا یہ حصہ بھی بہت اہم اور نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔

حضرت فرد کے دیوان میں جتنے قطعات تواریخ شامل ہیں، ان میں اکثر حصہ، بزرگوں کے بارے میں ہے، آپ نے خاص خاص موقعوں پر بھی تاریخیں کہی تھیں، ان میں سے بھی کچھ چیزیں دیوان میں ذکر ہوئی ہیں، آپ نے جس انداز سے تاریخیں کہی ہیں، ان میں سالم الاعداد، تعمیہ اور تخرجہ کے اصول کے مطابق تمام تاریخیں مجھے خوبصورت اور اچھی معلوم ہوتی ہیں، ہر ایک قطعۂ تاریخ سے، اس شخصیت کی صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے، جن کی آپ نے تاریخ کہی ہے، اس طرح جس واقعہ کا آپ تاریخ میں ذکر کرتے ہیں، اس سے اس واقعہ کی بھی مکمل وضاحت ہوتی ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو، حضرت فرد کے دیوان میں شامل قطعات تواریخ کا حصہ نہ صرف یہ کہ شعر وسخن کے حوالہ سے ایک اہم چیز ہے؛ بلکہ پھلواری شریف سے متعلق تاریخی معلومات اور آپ کے قبل کے بزرگوں، نیز آپ کے زمانے کے اہل علم میں سے چند حضرات کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں، ہمارے بزرگوں میں جن حضرات نے پھلواری شریف کی تاریخ بعد کے عہد میں لکھی ہے، ان کی نظر میں بھی دیوان فرد کے قطعات تواریخ یقیناً شامل رہے ہوں گے؛ اس لئے تاریخی حیثیت سے آپ کے دیوان کا یہ حصہ نہایت اہم معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت فرد نے جن واقعوں اور جن اکابر کی تاریخیں کہی ہیں، وہ آپ کے عہد کے تھے یا آپ ان کے عہد سے قریب عہد کے ایک بڑے معتبر اہل علم تھے، آپ نے ان میں بعض اکابر اور اس طرح بعض چیزوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؛ اس لئے پھلواری شریف کی تاریخ سے متعلق اس علمی سرمایہ کو موجودہ دور کے اہل علم کے درمیان پیش کرنا وقت کی ضرورت تھی تاکہ اہل علم حضرات اس پر اپنی تحریروں سے علم وفن کی نئی نئی باتیں تحریر کریں؛ تاکہ مجھ جیسے طالب علم کو بھی علم وفن سے واقفیت حاصل ہو اور نئی چیزیں سیکھنے کا موقع ملے۔

مادۂ تاریخ انتقال

محبوب رب العالمین مقصود السالکین حضرت سیدنا خواجہ محمد عماد الدین قلندر قادری پھلواروی قدس سرۂ العزیز

آپ سیدنا تاج العارفین مخدوم شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرۂ کے پیر بیعت، استاذ اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، حضرت امیر عطاء اللہ زینبی جعفری کی پانچویں پشت میں آتے ہیں، علم وفضل میں آپ کو رتبۂ عظیم حاصل تھا، آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم برہان الدین عرف لعل میاں قدس سرۂ بھی بڑے عابد وزاہد اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قدس سرۂ نے علوم ظاہری کی تحصیل وتکمیل کے بعد سید المستغرقین حضرت سید شاہ محمد فاضل قلندر قدس سرۂ سے شرف بیعت حاصل کیا، حضرت خواجہ کی وفات ۵۹ رسال کی عمر میں ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۱۲۴ھ میں ہوئی، مزار مبارک والد ماجد حضرت لعل میاں کی درگاہ میں مرجع خلائق ہے۔

قطعہ

خواجۂ ما آن عماد الدین قلندر قادری ❁ آفتاب فقر وملت اعظم ارکانِ دین
انتقالش بستم ماہِ جمادی الاول است ❁ بودہ ام در فکر سال او چومن اندوہ گین
ناگہان مہر جمالش شد بدل جلوہ فروز ❁ گفت دل اے خواجہ ومحبوب رب العالمین
۱۱۲۴ھ

مادۂ تاریخ ولادت بابرکت ورحلت سراپا وصلت

حضرت قطب الاقطاب خلیفۃ الرسول صاحب المقام الاویسیہ مولانا سید محمد وارث رسول نما غازی پوری ثم بنارسی قدس سرہ العزیز

آپ حضرت سیدنا مخدوم پیر محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے استاذ ومرشد ہیں، حضرت خواجہ عماد الدین قلندر کے عرفانی فیوض وبرکات اور حضرت رسول نما بنارسی کے فیضان ولایت اور آپ کی نظر کیمیا اثر نے ہی حضرت تاج العارفین کو عارفین وکاملین میں مرتبۂ کمال کا مورد بنایا تھا اور ان دونوں بزرگوں کے الطاف وعنایات ظاہری وباطنی نے انہیں علوم وعرفان، تصوف وسلوک میں نمایاں مقام ومرتبت سے سرفراز کیا تھا۔

حضرت رسول نما بنارسی قدس سرۂ ۱۰۸۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۶ھ میں وصال فرمایا، پوری زندگی عشق ومحبت رسول سے عبارت تھی، جس کے شب وروز اتباع کتاب وسنت میں مصروف اور دین وشریعت کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف تھے، مزار مبارک شہر بنارس میں کوئلہ بازار سے متصل محلہ کتوا پورا میں جو مولوی جی کا باڑا سے مشہور ہے، مرجع خاص وعام ہے۔

آن سید و وارث رسول عربی ❁ از سال ولادتش اگر می طلبی
لاریب خلیفۂ رسول اللہ ست ❁ تاریخ وصال اوست باذات نبی
۱۰۸۷ھ ۱۱۶۶ھ

قطعۂ تاریخ انتقال

حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین نائب رسول اللہ ﷺ مخدوم شاہ پیر محمد مجیب اللہ القادری الفلواروی قدس سرہٗ العزیز

حضرت سیدنا تاج العارفین قدس سرہٗ العزیز ۱۱؍ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی درجات کی کتابیں حضرت شاہ برہان الدین لعل میاں سے پڑھیں، پھر ۱۱۰۵ھ سے ۱۱۱۵ھ تک اپنے پھوپھی زاد بھائی اور پیر و مرشد حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں رہے، اس کے بعد مزید حصول تعلیم کے لیے بنارس تشریف لے گیے اور حضرت قطب الاقطاب صاحب المقام الاویسیہ مولانا سید شاہ محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں زانوئے تلمذ تہ کیا اور بقیہ درسیات کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۸؍رمضان المبارک ۱۱۲۲ھ میں بحکم بارگاہ نبوی ﷺ طریقۂ قادریہ مجابیہ میں حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ حضرت خواجہ نے آپ کو تمام سلاسل کی اجازت بھی معاً عطا کردی، اس کے بعد حضرت مولانا رسول نما بنارسی نے بھی آپ کو الباس خرقہ کرکے جمیع سلاسل کا تحریری اجازت نامہ مہر و دستخط سے مزین فرما کر عطا کردیا۔ حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے بعد آپ کو اپنے وطن پھلواری شریف میں مستقل اقامت اختیار کرنی پڑی۔ ۱۱۲۴ھ اور ۱۱۲۵ھ میں خانقاہ و دارالعلوم مجیبیہ کی بنیاد رکھی۔ رشد و ہدایت خلق اور دین و مذہب کی ترویج و آبیاری میں ہمہ تن مصروف و منہمک رہ کر ۲۰؍جمادی الاخریٰ ۱۱۹۱ھ روز شنبہ قریب نصف النہار وصال فرمایا۔

قطعہ نویس (حضرت فردؔ) حضرت سیدنا تاج العارفین پیر محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کے حفید سعید تھے یعنی حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کے خلف اکبر تھے، اپنے جد امجد کے وصال کے تقریباً ۲۰؍دن بعد پیدا ہوئے، جب آپ کی عمر شریف حد شعور کو پہنچی ہوگی تو فرشتہ خو جد بزرگ کے اوصاف و محامد سن کر دل بے تاب تڑپ رہا ہوگا، چنانچہ اسی عالم اضطراب میں انہوں نے کئی منقبتیں کہیں اور حضرت کے وصال پر قطعۂ تاریخ بھی لکھا۔

مولد و عمر و وفات حضرت پیر مجیب ❁ در شمار آمد پس از چندے بہ نظم این چنین

عمر پاکش جز "محامد" نیست دیگر با کمال ❁ مولد او پر فیوض و نیز فخر الواصلین

۹۴ ۹۳ ۱۰۹۸ھ ۱۰۹۸ھ

سال نقلش نائب ختم نبی و ہادی ست ❁ ہم بگفتم سر پناہے بود و تاج العارفین

۱۱۹۱ھ ۱۱۹۱ھ

مادۂ تاریخ رحلت

حضرت شاہ محمد مسیح اللہ عیسیٰ پوری قدس سرہٗ

حضرت شاہ محمد مسیح اللہ حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ عیسیٰ پور پھلواری شریف

کے رہنے والے تھے، مزید حالات نہیں معلوم۔

نقل چون کرد آن یگانۂ عصر ۞ فکر کردم بسال او ناگاہ
گفت ہاتف شنو ز روے زمین ۞ رفت بر آسمان مسیح اللہ
۷ ۱۲۱۸
۷ + ۱۲۱۸=۱۲۲۵ھ

مادۂ تاریخ رحلت

عصمت مآب حضرت ولیہ عارفہ زوجۂ مطہرہ اولیٰ حضرت فرد الاولیاء قدس سرہما

حضرت فرد کی یہ زوجۂ مرحومہ حضرت مولانا شاہ عبدالمغنی بن ملا محمد معین بن قاضی حیات مزید جعفری رحمہم اللہ کی صاحبزادی تھیں، ان سے ایک فرزند ابومحمد علی حسن میاں پیدا ہوئے، جو عنفوان شباب میں ہی رحلت فرما گئے تھے، مرحومہ کی تاریخ وفات ۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ روز یکشنبہ ہے۔ حضرت فرد کی دوسری شادی اسی خاندان میں مولانا شاہ عبدالعلی بن ملا مبین بن قاضی حیات مزید کی دختر عفیفہ سے ہوئی، جن سے حضرت شاہ نورالعین اور حضرت شاہ علی حبیب نصر قدس سرہما تھے۔

خانۂ فرد گشت چون ویران ۞ ماتمے سخت بر دل و جان شد
سال تاریخ این غم جانسوز ۞ گفت ہاتف کہ خانہ ویران شد
۱۲۷۷ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

حضرت شمس الملۃ والحق والدین مولانا شاہ شمس الدین ابوالفرح مجیبی پھلواروی قدس سرہٗ

آپ حضرت مولانا شاہ احمد عبدالحی بن حضرت تاج العارفین قدس سرہما کے صاحبزادے اور حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ کے برادرزادہ وفیض یافتہ ہیں، درسیات کی تکمیل استاذ الکل حضرت ملا وحید الحق ابدال قدس سرہٗ سے کی، بیعت واجازت وخلافت جد امجد حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ سے تھی، آپ متبحر عالم کے ساتھ شیخ مرتاض بھی تھے، فن شاعری میں مہارت تامہ رکھتے تھے، آپ کا دیوان موجود ہے، بہ سلسلۂ رشد وہدایت کلکتہ میں قیام رہا اور وہیں بتاریخ ۱۳؍شعبان المعظم ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء روز چہارشنبہ وفات پائی، آپ کا مزار محلہ مصری گنج کلکتہ میں آپ کے مرید مرحوم منشی غلام رحمان کی مسجد کے حجرہ میں زیارت گاہ عالم ہے۔

جناب شاہ شمس الدین ابوالفرح ۞ بمشرق چون غروب آن نور فرمود
خرد از طلعتش تاریخ این حشر ۞ بگفتا در دلم خورشید حق بود
۱۲۲۸ھ

ایضاً

چو ذاتش در حقیقت شمس دین بود ۞ بمشرق طلعتش چون نور ایمان
جہان تاریک شد از رحلت او ۞ خرد گفتا کہ شد خورشید پنہان
۱۲۲۸ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

صاحب التصرف والکرامۃ شہباز طریقت حضرت شاہ خدا بخش قادری پھلواروی قدس سرہٗ

حضرت شاہ خدا بخش بن شیخ غلام شرف قانون گو حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے مرید باختصاص اور یاران کاملین سے ہیں، آپ کو حضرت تاج العارفین کا قرب خاص حاصل تھا، ہمیشہ اپنے شیخ و مرشد کی خدمت و صحبت میں مصروف رہے، آپ عیسیٰ پور محلہ پھلواری شریف کے باشندہ تھے، مزار شریف حضرت مولانا رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کے احاطۂ مزار میں ہے، تاریخ وفات ۲۰؍رجب المرجب ۱۲۳۱ھ روز دوشنبہ ہے۔

چو آن عاشق آفتاب طریقت ۞ کہ بود از ازل مہر او سر نوشتم
ز ہجرت زدہ آتشے در جہان ۞ بگفتم کئی کز غمت جان برشتم
بگفتا ز تاریخ دریاب وصفم ۞ یقین دان کہ من آفتاب بہشتم
۱۲۳۱ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

حضرت محی السالکین زبدۃ الکاملین مولانا شاہ محمد نور الحق تپاں مجیبی قادری پھلواروی قدس سرہٗ

آپ حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے حفید سعید تھے، کتب درسیہ حضرت ملا وحید الحق ابدال سے تمام کیں، بیعت و اجازت وخلافت اپنے جد امجد حضرت تاج العارفین سے ۱۱۷۳ھ میں حاصل ہوئی، دوران تعلیم ہی میں حضرت تاج العارفین نے آپ کو حضرت شاہ غلام نقشبند کی وفات کے بعد ۱۱۷۳ھ میں سجادۂ عمادیہ پر جانشین کر دیا تھا، آپ سے سجادۂ عمادیہ کو بہت ترقی ہوئی، سینکڑوں آپ کی کفش برداری سے مراتب عالیہ کو پہنچے اور آپ کے چشمۂ علم و عرفان سے سیراب ہوئے، آپ مادرزاد ولی، بڑے رحم دل، کریم النفس نہایت ذہین وطباع بزرگ تھے، صاحب حضوری اور خدمت ابدالیت پر مامور تھے، شعر وسخن میں بھی کمال تصرف رکھتے تھے، تپاں تخلص کرتے تھے، آپ کا دیوان ۲؍جلدوں میں دست خاص کا لکھا ہوا خانقاہ عمادیہ منگل تالاب میں موجود ہے۔ ۴؍شعبان المعظم ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء پٹنہ میں انتقال فرمایا اور جنازہ پھلواری شریف لا کر حضرت لعل میاں قدس سرہٗ کی درگاہ میں پورب جانب آسودۂ خاک ہوئے۔

چون جناب تپاں بشوق تمام ۞ رخت در راہ وصل حق بر بست
گفت ہاتف ز روئے او پندار ۞ نور حق بودہ و بحق پیوست
۱۲۳۲ ۱
۱+۱۲۳۲=۱۲۳۳ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

حضرت مولوی معنوی شاہ محمد عبدالمغنی جعفری پھلواروی قدس سرہٗ

آپ حضرت ملا محمد معین جعفری کے صاحبزادے اور حضرت قاضی حیات مزید جعفری کے حفید ہیں، نہایت متقی و پرہیزگار، ذکی وذہین تھے، ولادت ۱۱۵۰ھ میں ہوئی، تکمیل درسیات استاذ الکل حضرت ملا وحید الحق ابدال سے کی، آپ کا مبلغ علم بہت بلند تھا، پھلواری شریف کے جید علما سے ہیں، برابر درس وتدریس کا مشغلہ رکھا، بیعت وخلافت حضرت تاج العارفین سے تھی، آپ نہایت مرتاض، عبادت گذار، صاحب تصرفات وکرامات تھے، باوجودیکہ آپ کو بہت سے شیوخ سے اجازت حاصل تھی؛ مگر آپ نے کسی کی بیعت نہیں لی، صرف تین آدمی کو شدید اصرار پر آپ نے مرید کیا، آپ کی وفات ۲۸؍رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ شب یکشنبہ کو ہوئی اور مسجد سنگی پھلواری شریف کے مشرقی دروازہ پر مدفون ہوئے۔

بست ہشتم ز ماہ رمضان بود ۞ سفر آنجناب والا جاہ
سخن آخرین کہ برلب راند ۞ کلمۂ لا الہ الا اللہ
از خرد سال رحلتش جستم ۞ کرد ہاتف بفکر من چو نگاہ
بسر فرد خواند این مصرع ۞ قُدِّسَ سِرُّہٗ وَ طَابَ ثَرَاہ
۸۰ ۱۱۵۳ھ
۸۰+۱۱۵۳=۱۲۳۳ھ

ایضاً

دل پاکش چو داشت شوق لقا ۞ حق تعالیٰ بسوی خویشش خواند
قرب او دیدہ ہر ملک چون فرد ۞ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہٗ برلب راند
۱۲۰۱ ۳۲
۱۲۰۱+۳۲=۱۲۳۳ھ

ایضاً

بود مشتاق وصل حق از جان ۞ کشش عشق بردسوئے خدا

از سر اعتقاد فرد بگفت ❁ رِضِیَ رَبُّهٗ بِهٖ اَبَدًا

۱۲۳۲ ۱

۱+ ۱۲۳۲=۱۲۳۳ھ

ایضاً

بود کامل بظاہر و باطن ❁ و از قیود زمانہ مستغنی

ظاہرش بود کاشف باطن ❁ باطنش بود باخدائے غنی

گرچہ دو ہست ظاہر و باطن ❁ لیک اینجا یکے ست در معنی

سال نقلش چو از خرد جستم ❁ گفت تو بیش ازین چہ فکرکنی

منتخب کردش ز روئے زمین ❁ آہ اے وائے مولوی مغنی

۱۲۲۶ ۷

۷+۱۲۲۶=۱۲۳۳ھ

مصرع مذکورہ کی تبدیلی سے سن فصلی برآمد ہوتا ہے

دست غم رفت برسر احباب ❁ آہ اے و اے مولوی مغنی

۱۲۲۴ ۱

۱+ ۱۲۲۴=۱۲۲۵ف

مادۂ تاریخ رحلت

عالیہ متعالیہ حضرت مقدسہ مطہرہ عارفۂ کاملہ ام المریدین زوجۂ حضرت شیخ العالمین قدس سرہما

مرحومہ رحمۃ اللہ علیہا حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ کی اہلیہ اور قطعہ نویس (حضرت فرد) کی والدہ ماجدہ ہیں، آپ کا نام بی بی مبینہ ہے، آپ حضرت حکیم محبوب عالم عرف حکیم باسو محلہ کریم چک ضلع چھپرہ (م ۱۲۱۰ھ) کی صاحبزادی تھیں، بہت نیک وعفت مآب تھیں، آپ کے والد گرامی حکیم محبوب عالم عرف حکیم باسو صاحب علیہ الرحمہ نسباً ہاشمی تھے، ان کے والد شیخ پیر نظر محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو حضرت مولانا محمد وارث رسولنما بنارسی قدس سرہ کے مرید تھے۔

حضرت حکیم باسو نہ صرف علوم ظاہری وثروت ووجاہت میں ممتاز تھے، بلکہ فقر وعرفان میں بھی آپ کا بلند پایہ تھا، صوفیا کا طبقہ آپ کو بلند نگاہ سے دیکھتا تھا، آپ حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کے مرید حضرت شاہ محمد عصمت اللہ عثمانی کھلپوری کے مرید تھے، حکیم صاحب کا مزار مقبرہ مجیبیہ میں حضرت ملا وحید الحق ابدال کے پہلو میں ہے۔

چون جناب عالیہ رحلت نمود ❁ داشت بس در حضرت زہرا قبول
گفت ہاتف قرب او دیدیم بس ❁ در جناب فاطمہ بنت الرسول
۶۲ ۱۱۷۴
۶۲+ ۱۱۷۴=۱۲۳۶ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

شمع خاندان مجیبی چراغ دودمان نعمتی صاحب نسبت وحالت شاب فی اللہ مولوی علی حسن نعمتی قدس سرہٗ

آپ حضرت فرد الاولیاء قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں، کم سنی ہی سے بڑے صاحب حالات رفیعہ تھے، تصوف وفقر کی طرف فطری مناسبت رکھتے تھے، اس لیے حضرت شیخ العالمین نے آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم میں بڑی سرگرمی فرمائی، آپ کی عمر شریف میں سترہویں سال کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ تکمیل ظاہری و باطنی سے فراغت پاچکے اور ان کی رسم شادی سے بھی حضرت شیخ العالمین نے فرصت کرلی تھی اور یہ ارادہ تھا کہ آپ کو اجازت وخلافت دے کر جانشین کردیں اور خود خلق سے انزوائے محض اختیار کریں، مگر مشیت نے اس کا موقع نہ دیا، شادی کے چند مہینہ بعد حضرت مولانا شاہ ابو محمد علی حسن قدس سرہٗ نے رحلت فرمائی، حضرت شیخ العالمین کے رنج و الم کا کیا پوچھنا؟ بہت سے حوصلوں اور تمناؤں کا خون ہوگیا، اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ العالمین کا خیال جانشینی کے لیے حضرت فرد الاولیاء کی طرف پلٹا اور اس روز آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کرلیا، آپ کی وفات آخر ماہ ربیع الثانی ۱۲۳۶ھ میں ہوئی، مزار شریف حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے گنبد شریف کی دیوار کے درمیان صدر دروازے کے پورب واقع ہے۔

چو رفت از چشم من آن نور چشم ❁ چہ گویم تیرہ در چشم جہان بود
کفِ حسرت زغم مالیدہ ہاتف ❁ بگفتا آہ خورشید زمان بود
۱۲۳۶ھ

مادۂ تاریخ

تعمیر مسجد شریف خانقاہ عالم پناہ مجیبی

مسجد مجیبی کی بنیاد حضرت تاج العارفین نے ۱۱۳۸ھ میں ہی رکھی تھی، اس وقت مسجد سفال پوش تھی، سو سال کے بعد اس کی پختہ تعمیر کا کام حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ کے عہد میمنت مہد ۱۲۳۸ھ میں شروع ہوکر ۱۲۳۹ھ میں مکمل ہوا، پھر اس کے بعد متعدد بار تعمیر کا کام ہوا، لیکن مسجد کے صدر دروازے پر حضرت فرد قدس سرہٗ کی کہی ہوئی تاریخ کا کتبہ آج بھی آویزاں ہے۔

بعد صد سال گشت چون پختہ ❁ مسجد خانقہ باین ترتیب
سال او گفت ہاتفے از حق ❁ مسجد خانقاہ پیر مجیب
۱۰۸ ۱۱۳۱
۱۰۸+۱۱۳۱=۱۲۳۹ھ

مادۂ تاریخ انتقال

حضرت شیخ العالمین شفیع المریدین صاحب السر محبوب اللہ مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ

آپ حضرت سیدنا مخدوم تاج العارفین پیر محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کے خلف و جانشین ہیں اور تاریخ گو (حضرت فرد الاولیاء قدس سرہٗ) آپ کے ہی خلف اکبر و جانشین ہیں۔شب چہارم محرم الحرام ۱۱۶۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی،کتب درسیات حضرت ملا وحید الحق ابدال سے پڑھیں،۱۱۷۷ھ میں بتاریخ ۲۸؍رمضان المبارک اپنے والد ماجد حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کی،بدو شعور سے ہی آپ کی طبیعت طاعات وعبادات،ریاضات ومجاہدات کی طرف مائل تھی،تقریباً ۳۳؍سال اپنے والد بزرگوار کی خدمت وصحبت اور تربیت ومعیت میں رہے،حضرت تاج العارفین کے وصال کے بعد باشارۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ آپ کو سلسلہ وارثیہ مجیبیہ کی جانشینی کے لیے منتخب کیا گیا،۵۵؍سال کا طویل عرصہ منصب سجادگی پر فائز رہے اور ۸۸؍سال کی عمر میں ۲۹؍شعبان المعظم ۱۲۴۷ھ روز پنجشنبہ سفر آخرت کے لیے روانہ ہوئے۔

شیخ من کو نعمت اللہ بود ۞ بود الحق نعمت عالم نواز
سال نقلش عالمے با گریہ گفت ۞ دو جہان را دستگیر و چارہ ساز
۱۲۴۷ھ

ایضاً

زسال رحلتِ آن شیخ عالم ۞ عدد بر صفحۂ خاطر نوشتم
بروحِ پاک او چون عرض کردم ۞ بگفتا ماہ تابان بہشتم
۱۲۴۷ھ

ایضاً

فرد چون کرد فکر سال وصال ۞ ہاتفے این گہر بنظم سفت
شیخ ما ہمچو پیر بسطامی ۞ لیس فی جبتی سوی اللہ گفت
۱۲۴۷ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

وحید العصر فرید الدہر مولوی معنوی شاہ محمد علی اکبر قادری پھلواروی قدس سرہٗ

آپ استاذ الکل حضرت ملا وحید الحق قدس سرہٗ کے خلف اصغر اور حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ۱۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے،کتب درسیہ بہ تمام وکمال اپنے والد ماجد سے پڑھیں،بیعت واجازت بھی والد سے حاصل کی،والد کے

انتقال کے بعد حضرت شیخ العالمین سے رجوع کیا اور بڑی بڑی ریاضتیں کیں، تکمیل درسیات کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ جاری رہا، ۹؍ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ میں رحلت فرمائی، اپنے والد کے پائینتی میں درخت مولسری کے نیچے مدفون ہوئے۔

خدا را عاشقے بودہ است و صادق ❁ جناب مولوی شاہ اکبر
بماہ عید قربان چو کمر بست ❁ باحرام لقاے پاک داور
وصالش حج اکبر بود گویا ❁ بتاریخش فرو بردیم چون سر
دلم گفتا ز روے جوش باشوق ❁ شدہ واصل بحق اللہ اکبر
۸۳۵ ۴۰۹ ۳
۳+۴۰۹+۸۳۵=۱۲۴۷ھ

مادہ تاریخ

حضرت مولانا شاہ وعد اللہ قادری مجیبی پھلواروی خواہر زادہ و خلیفہ حضرت شیخ العالمین قدس سرہما

حضرت تاج العارفین کی صاحبزادی بی بی عارفہ رحمہا اللہ کے صاحبزادے ہیں، ولادت ۱۱۷۶ھ میں ہوئی، کتب درسیات اپنے خالو حضرت ملا وحید الحق ابدال سے پڑھیں، ۱۱؍ربیع الآخر ۱۱۹۴ھ میں اپنے ماموں حضرت شیخ العالمین سے مرید ہوئے، تکمیل سلوک کے بعد حضرت شیخ العالمین نے جملہ سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی، ۲؍ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ میں رحلت فرمائی اور مقبرہ مجیبیہ میں مدفون ہوئے۔

قطعہ تعمیہ

صاحب فضل شاہ وعد اللہ ❁ چون وفا کرد باخدا وعدہ
رفت سوے سما ز پاے ادب ❁ روز دویم ز ماہ ذیقعدہ
۱۲۴۶ ۲
۲+۱۲۴۶=۱۲۴۸ھ

مادہ تاریخ ارتحال

قدوۃ الکاملین فخر الواصلین حضرت شاہ کریم عطا چشتی سلونی قدس سرہٗ

حضرت شاہ کریم عطا سلونی صاحبؒ خانقاہ سلون کے مشائخ میں سے ہیں، حضرت شاہ پیر محمدؒ اشرف سلونی بن حضرت شاہ پیر محمد سلونیؒ کے پسر زادے ہیں، ۱۱۷۶ھ میں تولد ہوئے، آپ کے احوال باطنی پر ایک مفصل کتاب موجود ہے، جو آپ کے صاحب زادہ شاہ محمد پناہ عرف جی میاں صاحبؒ کی تالیف ہے، ۱۲۴۸ھ میں شاہ کریم عطا صاحبؒ نے وفات پائی، خانقاہ مجیبیہ اور خانقاہ کریمیہ کے بزرگوں میں شیخ معز الدین کرجوی کی بنیاد پر قدیم تعلقات رہے ہیں، اسی تعلق کے تحت حضرت فرد الاولیاء پھلواروی قدس سرہ نے

حضرت شاہ کریم عطا صاحبؒ کی وفات پر حسب ذیل قطعات کہے تھے، جو ان کے دیوان میں بھی شامل ہیں۔

خانقاہ مجیبیہ اور خانقاہ کریمیہ کے بزرگوں کے مابین مکاتبت ومراسلت کا سلسلہ بھی رہا ہے، دونوں خانقاہوں کے بزرگوں کے کثیر مکاتیب اس پر شاہد عدل ہیں۔

بسال رحلت این شیخ واجب التعظیم ❁ زدل سوال نمودم ز قطعۂ تاریخ
پناہ اہل زمین وعطای خاص کریم ❁ ملک بگفت بگوشم کہ از جہان برخاست
۱۲۴۸ھ

ایضاً

نقل فرمود چون بخلد برین ❁ زندۂ اولیا کریم عطا
خلق را شد گمان روز پسین ❁ تیرہ شد از وفات او آفاق
شد نہان آفتاب زیر زمین ❁ از تہِ دل شنیدم این مصرع
۳۰ ۱۲۱۸
۳۰+۱۲۱۸=۱۲۴۸ھ

مادۂ تاریخ

تیاری چابوترہ سنگین درگاہ شریف حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ

۱۲۵۱ھ میں حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ کے چابوترہ پر سنگ کاری کی گئی، جس کا اہتمام مولوی کمال علی بن میر عبدالعلی جعفری پھلواروی نے کیا، جو حضرت فرد کے برادر نسبتی تھے، جو ۱۲۵۵ھ میں الہ آباد بورڈ کے، ۱۲۶۳ھ میں پٹنہ کے اور ۱۲۷۱ھ میں بھاگلپور کے سررشتہ دار (پیش کار) رہے۔ ان کی وفات ۱۱ر رمضان المبارک ۱۲۷۲ھ بھاگلپور میں ہوئی۔

بود از ہجرت کہ سنگین شد بنا ❁ در ہزار و دوصد و پنجاہ و یک
بود باقی این بنا ے خوشنما ❁ گفت ہاتف سال تعمیرش ز اوج
۱۰ ۱۲۴۱
۱۰+۱۲۴۱=۱۲۵۱ھ

ایضاً

شد چو این چابوترہ خلد آستان ❁ با کمال وسعت و سنگین بنا
دلکشا تر گوئی از صحن جنان ❁ سال تعمیرش بمن رضوان بگفت
۱۲۵۱ھ

از سنگ چو ثانیاً بنا شد ❁ این رشک فزا ے صحن جنت

فرمود ملک بگوشم از اوج ۞ سنگین شد و بسکہ دلکشا شد
۱۰ ۱۲۴۱
۱۰+۱۲۴۱=۱۲۵۱ھ

مادۂ تاریخ انتقال

حضرت استاذ فیاض سید العلماء سند العرفاء مولانا مولوی شاہ احمدی قادری پھلواروی قدس سرہٗ

حضرت ملا وحید الحق قادری پھلواروی کے خلف اکبر اور حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے نواسے ہیں، ۷ رصفر المظفر ۱۱۷۷ھ میں پیدا ہوئے، درسیات بہ تمام وکمال اپنے والد ماجد سے پڑھیں، بہت ذہین وفطین تھے، ۱۷ رسال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے، بیعت واجازت اپنے والد سے تھی، مگر سلوک کی تکمیل حضرت شیخ العالمین سے ہوئی، انہوں نے اجازت وخلافت اور الباس خرقہ سے ممتاز ومفخر فرمایا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد سجادۂ جنیدیہ پر جانشین کیے گئے، آپ صاحب تدریس وتصنیف کے ساتھ ضلع شاہ آباد، گورکھپور اور سارن کے مفتی عدالت بھی تھے، سفر وحضر ہر حال میں طلبہ آپ کے ساتھ رہتے اور آپ ان کی کفالت فرماتے۔ آپ کے صاحبزادگان مولانا شاہ ہادی مع برادران اور آپ کے ماموں حضرت شیخ العالمین کے ساتوں صاحبزادگان آپ کے علمی خزانے کے حامل تھے، یکم شعبان المعظم ۱۲۵۱ھ تاریخ وفات ہے، مقبرہ مجیبیہ میں مدفون ہیں۔

قطعۂ تعمیہ

مولوی شاہ احمد صاحب ۞ بود استاد اعلم و افضل
سر نہادم بخاک بر درِ حق ۞ بہر تاریخ نقل این اکمل
گفت برو از سر زخاک کہ اوست ۞ وارث علم احمد مرسل
۲۱ ۱۲۳۰
۲۱+۱۲۳۰ = ۱۲۵۱ھ

ایضاً

بود چون شمع خاندان مجیب ۞ حضرت اوستاد والا جاہ
شد بجنت بغرۂ شعبان ۞ سال نقلش بجو زغرۂ ماہ
۱۲۵۱ھ

ایضاً

چہ گویم در غم این ذات کامل ۞ کمال ظاہر و باطن بہم بود
چو بگذشت از سر دنیا بگوشم ۞ امام ظاہر و باطن بفرمود
۴ ۱۲۵۱ھ

ایضاً

دربہر مصرع ثانی باتعمیہ ازمصرع اول تاریخ ست

از روئے طریقت ارو بگویم ۞ سر دفتر واصلان حق بود
۱۲۴۲ ۹
۹+۱۲۴۲=۱۲۵۱ھ

وازروئے سندبشرع نبوی ۞ ہرموئے تنش زبان حق بود
۱۱۹۱ ۶۰
۶۰+۱۱۹۱=۱۲۵۱ھ

بربستہ لب طلب ز مطلب ۞ تا پاے ز سر نشان حق بود
۱۲۰۲ ۴۹
۴۹+۱۲۰۲=۱۲۵۱ھ

حق گفت کسیکہ گفت در وے ۞ در جملہ صفت ازان حق بود
۱۰۳۱ ۲۲۰
۲۲۰+۱۰۳۱=۱۲۵۱ھ

ور بگزری از دوئی بگویم ۞ بےکذب بگو کہ شان حق بود
۱۲۵۱ھ

ایضاً

نقل چون کرد این فرید زمان ۞ سال نقلش بگفت ہاتف غیب
از سر جان گذشتنت باید ۞ خاتم الاصفیا بگو لاریب
۱۲۵۱ ۳
۳-۱۲۵۴=۱۲۵۱ھ

تاریخ وفات

اہل خانہ مولوی محمد علی علیہ الرحمہ

حضرت مولانا شاہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شمس الدین ابوالفرح قدس سرہ کے صاحب زادے ہیں، تاریخ ولادت ۸/شوال ۱۲۸۳ھ ہے، درسیات مولانا شاہ احمدی قدس سرہ سے پڑھیں، بیعت اجازت وخلافت اپنے والد سے حاصل کی پہلے بہار میں صدر امین مقرر ہوئے، پھر چنارگڑھ مفتی عدالت کے عہدہ پر فائز ہوکر تشریف لے گئے، تمام عمر خدمت افتاء میں بسر فرمائی، ۲۹/صفر المظفر ۱۲۴۷ھ میں رحلت فرمائی آپ کا مزار بنارس میں حضرت مولانا رسول نما بنارسی قدس سرہ کے جنوبی

دروازہ سے متصل ایک چابوترہ پر واقع ہے، آپ کی شادی مولانا عبدالمغنی قدس سرہ کی دوسری صاحبزادی سے ہوئی تھی، جن کی وفات ۲۳؍رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ دوشنبہ کے روز ہوئی۔

قطعہ

آن عفیفہ نقل از دنیا چو کرد ۞ رفت در جنت کہ بس جائے نکواست

ہوشمندے گفت دریاب از پیام ۞ اُدْخُلِیْ فِیْ جَنَّتِیْ تاریخ اوست

۵۳ ۱۱۹۸

۱۲۵۱=۱۱۹۸+۵۳ھ

مادۂ تاریخ

زوجۂ الٰہی بخش موضع سید یوسف پور ضلع پٹنہ

مرحومہ کی وفات ۹؍جمادی الاخریٰ ۱۲۵۱ھ شنبہ کے روز ہوئی، جب کہ ان کے شوہر کی وفات ایک دن قبل ۸؍جمادی الاخریٰ جمعہ کے روز ہوئی تھی۔ حضرت فرد الاولیاء قدس سرہٗ نے اس واقعہ کو قطعۂ تاریخ میں شامل رکھا ہے، جس سے ان کا کمال فن ظاہر ہے۔

قطعہ

افسوس بزوجہ الٰہی بخش ست ۞ اندوہ وفات شوے جانش بردہ

درسال وفات گفت ہاتف کہ زنے ۞ از رحلتِ زوج روز دویم مردہ

۶۷ ۱۱۸۴

۱۲۵۱=۱۱۸۴+۶۷ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

حضرت برگزیدۂ کونین سید شاہ غلام حسین داناپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت منعم پاک قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ تھے، ۱۰؍محرم الحرام ۱۱۶۸ھ کو اپنی نانیہال کشن گنج میں پیدا ہوئے، ۲۱؍محرم الحرام ۱۲۵۴ھ روز سہ شنبہ عین دوپہر کے وقت وفات ہوئی، مزار شاہ ٹولی داناپور میں واقع ہے، آپ داناپور کے بزرگ سید المجذ وبین حضرت شاہ یسین چشتی کے پوتے ہوئے، مدارج وکمالات عرفانی میں بے نظیر تھے، اکابر حضرات آپ کے خلفا میں شامل ہیں، آپ کی وفات پر حضرت فرد الاولیاء نے حسب ذیل قطعات کہے تھے، جن سے ان کے مقام ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

چو بست از خلق چشم این پیر عارف ۞ بیک چشمک مشرف از لقا شد

بتاریخش ندائے آمد از جان ❁ فنائے عاشقان عین بقا شد
۱۲۰۰ ۵۴
۵۴+۱۲۰۰=۱۲۵۴ھ

قطعہ

کرد از دنیا چو رحلت این ولی ❁ سال نقلش از کمالش منجلی
یعنے اورا در شمار حی بدان ❁ قرب حق آرامگاہ آن ولی
۱۲۳۶ ۱۸
۱۸+۱۲۳۶=۱۲۵۴ھ

مادۂ تاریخ وفات

میر شاہ قمر الدین ابوالعلائی رحمۃ اللہ علیہ

سن ۱۲۰۳ھ میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے، حضرت شاہ غلام حسین داناپوری کے برادر زادے اور حضرت شاہ شمس الدین حسین کے صاحبزادے ہیں، سلسلۂ طریقت میں حضرت شاہ ابوالبرکات قدس سرہ کے جانشین وخلیفہ تھے، حضرت شاہ فرحت اللہ عظیم آبادی سے بھی خلافت حاصل تھی، اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز اور اپنے خانوادہ میں مایۂ فخر وناز تھے، غیر خاندان میں سے اکابر حضرات بھی آپ کے خلفا ہوئے ہیں، آپ کی تصانیف میں ''جواہر الانوار'' اور ''اسرار قمریہ'' اہم کتابیں ہیں، ۲۰ر شعبان ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی، ملا میتن کی مسجد کے احاطۂ قبرستان حضرت منعم پاک میں مدفون ہیں، درج ذیل قطعہ حضرت فرد الاولیاء نے آپ کی وفات میں کہا تھا:

سالک راہ میر قمر الدین ❁ نیست محتاج وصف او بہ بیان
قمرے بود در عظیم آباد ❁ نور افزائے مجمع یاران
شب سہ شنبہ و شب بستم ❁ بود بے ریب از مہ شعبان
ہاتفے گفت از سرِ افسوس ❁ سال او از غروب ماہ بدان
۱۲۵۴ ۱
۱+۱۲۵۴=۱۲۵۵ھ

مادۂ تاریخ

تعمیر حجرۂ پختہ بر درِ خلوت بابرکت وجای شرف اقامت پیران ومقام سجادۂ پاکان علیہم الرضوان

خلوت مجیبی وہ مقدس مقام ہے جو حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے عہد پاک سے آج تک حضرات صاحبان سجادہ

کی قیام گاہ و ریاضت گاہ رہی ہے، خلوت کا یہ مقام پہلے سفال پوش تھا، حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کو پختہ مکان اپنے لیے بنوانا پسند نہ تھا، اس لیے آپ نے زندگی میں پختہ مکان تعمیر نہ کیا، حضرت شیخ العالمین کی استدعا پر حضرت نے فرمایا کہ اس کی ضرورت ہے تو میرے بعد پختہ تعمیر کرالینا، میری زندگی کو سفال پوش مکان میں بسر ہونے دو، حضرت تاج العارفین کی وفات کے بعد یہ خلوت کہنہ اور لائق مرمت ہو چکی تھی، حضرت شیخ العالمین نے اس کو ازسر نو پختہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور قطعات کو اپنی سابق حیثیت پر باقی رکھ کر پختہ تعمیر کرایا اور اس کا لحاظ رکھا کہ خلوت کا جو جزو حضرت تاج العارفین کے عہد پاک کا اب تک مستحکم ہے، وہ باقی رکھ کر اور دیوار و بنیاد پر پختہ تعمیر کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ملحوظ رکھا گیا، حضرت تاج العارفین کے عہد پاک کی ایک دیوار دکھن جانب کی سائبان میں پچھم اور اتر سمت جس جگہ اسباب کی الماری پچھم جانب رکھی ہے اب تک موجود ہے، حضرت شیخ العالمین کے انتقال کے بہت عرصہ بعد حضرت نصر قدس سرہٗ کے عہد پاک میں سابق کی چھت بے مرمت ہو چکی تھی، حضرت نصر قدس سرہٗ نے چھت کو ازسر نو تعمیر کرایا اور سابقہ خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی کڑیاں اور تختوں پر نشان دے کر چھت سے علاحدہ کیا، تاکہ بچھانے کے وقت ہر کڑی اپنی سابق جگہ پر بچھائی جاسکے اور اگلی ترتیب میں فرق نہ آئے۔

حضرت نصر قدس سرہٗ کی تعمیر کے بعد اب تک خلوت شریف کی تعمیر کا کوئی کام انجام نہیں پایا، البتہ اسی سال عرس ربیع الاول ۱۴۴۵ھ سے قبل ابی وشیخی جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے خلوت شریف کے صحن اور دروازے کے سامنے والے حصے کو سطح زمین سے اونچا کر کے فرش بچھوا دیا ہے، کیوں کہ بارش کے دنوں میں خلوت شریف کے صحن میں پانی جمع ہونے کے سبب ایام زیارت اور عام دنوں میں بالخصوص حاملین تبرکات و بالعموم واردین وصادرین کو بھی دقت ومشقت ہوتی تھی۔

قطعۂ تعمیہ

بعد یک چند بردر خلوت ۞ گشت تعمیر حجرۂ پختہ
فرد تاریخ او باآخر سال ۞ کرد تحریر حجرۂ پختہ
۱۲۲۳ ۳۰
۳۰+ ۱۲۲۳= ۱۲۵۳ھ

مادۂ تاریخ

شادی خانہ آبادی حضرت مولانا شاہ وصی احمد پھلواروی قدس سرہٗ

حضرت مولانا سید شاہ وصی احمد پھلواروی، بانی خانقاہ سیدنا تاج العارفین رضی اللہ عنہ کے خلف دوم حضرت مولانا شاہ احمد

عبدالحی قادری کی اولاد میں ایک متبحر عالم دین تھے، بانیٔ خانقاہ تک آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: مولانا وصی احمد بن مولانا مصطفی ابوالقاسم بن مولانا شاہ شمس الدین ابوالفرح قادری بن مولانا شاہ احمد عبدالحی بن مخدوم تاج العارفین پیر محمد مجیب اللہ قادری قدست اسرارھم۔

مولانا وصی احمد پھلواروی کی پیدائش ۳۰/ذی الحجہ ۱۲۲۶ھ کو پھلواری شریف میں ہوئی، بنیادی تعلیمات سید العلما مولانا احمدی پھلواروی سے حاصل کی، درسیات کی تکمیل مولانا شاہ محمد حسین پھلواروی سے کی، بیعت آپ کو اپنے نانا حضرت شیخ العالمین مولانا شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہ سے حاصل تھی، اجازت وخلافت اور سلوک کی تعلیمات حضرت فرد اور حضرت علی سجاد قدس سرہما سے پائی تھی، درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے ساتھ خاندانی وراثت میں شعر وسخن کا اعلی ذوق پایا تھا فن شاعری میں حضرت فرد سے تلمذ تھا، حضرت نصر قدس سرہ کے عہد سجادگی میں آپ کے دست و باز و بن کر آپ کا علمی تعاون فرمایا، آپ کی علمی کاوشوں میں قامع البدعات ایک اہم تالیف ہے، جو حضرت نصر کے حکم پر آپ نے تالیف فرمائی تھی، اس کے مطالعے سے حضرت نصر اور حضرت وصی قدس سرہما کے اصلاحی کارناموں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے، اس کے علاوہ حضرت وصی کا دیوان فارسی واردو بھی آپ کی علمی یادگار ہے، سابق میں پھلواری شریف سے شائع بھی ہو چکا ہے اور آپ ہی کے دیوان کی تصحیح وتدوین پر ہمارے چھوٹے دادا مولانا شاہ محمد وجہ اللہ قادری علیہ الرحمہ کو پی ایچ ڈی ڈگری تفویض ہوئی تھی۔ مولانا وصی احمد پھلواروی کا ایک اہم علمی کام کلیات فرد الاولیاء کی ترتیب بھی ہے، حضرت فرد کے وصال کے بعد آپ نے ان کے منتشر کلاموں کو جابجا سے کھوج کر جمع کیا اور بغرض حفاظت اس کی اشاعت فرمائی، حضرت فرد کے دیوان کو تحقیق وتنقید کے ساتھ علاحدہ طور پر ادبی معیار کے مطابق مرتب کرنے کا بھی ارادہ رکھتے تھے، اس سلسلہ میں ایک عمدہ ادبی مقدمہ بھی آپ نے تحریر فرمایا تھا؛ مگر دیگر علمی ودرسی مشغولیتوں کی وجہ کر تدوین واشاعت کا کام آپ سرانجام نہ دے سکے، انہوں نے اپنی شادی کے مادۂ تاریخ کا جن الفاظ میں تعارف پیش کیا ہے، ان میں حضرت وصیؒ کی خاکساری ملاحظہ کریں، وہ لکھتے ہیں:

”شادی این کمینہ خادمان وکمترین مستفیضان جامع این کلیات فیض آیات کہ براہ شفقت وغلام نوازی وعنایت و بندہ پروری پس از فراغ انجام آن شکراً للہ الجلیل ودعاءً لبعدہ الذلیل واستحفاظاً للتاریخ نظمے فرمودند وسرفراز یہا افزودند“

مولانا وصی احمد پھلواروی کا انتقال ۱۲۹۳ھ میں ہوا اور مقبرۂ مجیبیہ میں اپنے جد گرامی مخدوم شاہ عبدالحی قادری کے داہنے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

اگر نظمے بنامم ساز کردند ۞ غلام خویش را ممتاز کردند
بلب راندند چون نام وصی را ۞ بخوشامے مرا انباز کردند
وصی نور دو چشمم کد خداشد ۞ بحمداللہ تعالیٰ وتبارک

بتاریخش بر آمد از دل شاد ۞ بشادی خانہ آبادی مبارک
۱۲۵۲ ۱
۱+۱۲۵۲=۱۲۵۳ھ

مادۂ تاریخ رحلت

صاحب حالات ومقامات اہل مکاشفات وتصرفات مولوی معنوی مولانا شاہ محمد امام قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ کے تیسرے فرزند ہیں، ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، درسیات کی تکمیل حضرت مولانا شاہ احمدی قدس سرہٗ سے کی، بست ویکم رمضان المبارک ۱۲۱۶ھ میں اپنے والد ماجد کے دست اقدس پر طریقۂ قادریہ وارثیہ میں مرید ہوئے، عبادات ومجاہدات اور چلہ کشی وریاضت کے بعد جمیع سلاسل کی اجازت حاصل فرمائی، تمام عمر درس وتدریس اور ریاضات ومجاہدات میں بسر فرمائی، آپ نہایت مرتاض وفیاض اور صاحب کشف بزرگ تھے، بےکسوں اور ضرورت مندوں کی حاجت برآری کیا کرتے تھے، حضرت فرد الاولیاء کے دست وبازو تھے، ۸؍محرم الحرام ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء روز یکشنبہ بعد اشراق رحلت فرمائی اور مقبرہ مجیبیہ میں تدفین ہوئی۔

چو عین الحق عزیز جملہ اخوان ۞ ازین دنیای دون سوی جنان رفت
کمال ظاہر و باطن ہمہ داشت ۞ چہا زین غم بہر پیر و جوان رفت
چگویم از وصال آن برادر ۞ مرا بیجان نمودہ چون زجان رفت
خرد گفت از سر افسوس اے و اے ۞ امام عصر گویا از جہان رفت
۱۲۲۶ ۲۸ ۱
۱+۲۸+۱۲۲۶=۱۲۵۵ھ

ایضاً

چون زیر زمین شد آن مہ من ۞ شد تیرہ بچشم فرد عالم
در سال غمش بر آمدہ واے ۞ یکشنبہ و ثامن محرم
۱۲۷۲ ۱۷
۱۷+۱۲۷۲=۱۲۵۵ھ

ایضاً

رضوان ز سال نقل محمد امام من ۞ گفت از سر ادب کہ امام بہشت ہست
۱۲۵۴ ۱
۱+۱۲۵۴=۱۲۵۵ھ

مادۂ تاریخ ارتحال

معدنِ خیر و برکات رفیع الحالات شاہ ابوالبرکات ابوالعلائی عظیم آبادی روح اللہ تعالیٰ روحہ

حضرت خواجہ محمد شجاعؒ ابن حضرت خواجہ محمد حسنؒ کے فرزند ہیں، الہ آباد میں آپ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، حضرت عشق قدس سرہ کے ممتاز خلیفہ ہیں، الہ آباد میں وفات پائی، اور تدفین حضرت عشق کے پائین میں ہوئی، سن وفات ۱۲۵۶ھ ہے۔

قطعہ

بذات وصفت عین برکات بود ۞ شدہ نام او وصف و ہم عین نام
شب ہشتمی ماندہ پاسے ز شب ۞ شب چارشنبہ ز ماہِ صیام
بسال وفاتش بگفتم ز مدح ۞ بزرگے خدابین وعالی مقام
۵۲ ۞ ۱۲۰۴
۵۲+۱۲۰۴=۱۲۵۶ھ

مادۂ تاریخ رحلت

سالک طریقت جوان صالح شیخ غلام نجف متوطن چھپرہ

حضرت شیخ العالمین محبوب اللہ مخدوم شاہ نعمت اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے مرید تھے، ہمیشہ جوش عشق اور شوق الٰہی میں رہتے تھے، ۱۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

آن غلام نجف جوان درعمر ۞ بسلوک طریقہ گوے ربود
آنکہ تقوے بخاک رہگذرش ۞ سر اخلاص روز وشب می سود
دائم النسبۃ ورفیع الحال ۞ چون براہ وصال تن فرسود
بشب چارشنبہ بست و دوم ۞ ماہ عربی ربیع الاول بود
سال نقلش بفرد ہاتف گفت ۞ بندگی کارحق دادا فرمود
۱۲۵۸ھ

مادۂ تاریخ فوت

مطرب دلنوازقوال دمساز جناب غوثن قوال پھلواروی مرحوم

جناب غوثن قوال مرحوم خانقاہ کے محبوب ومقبول ترین قوال تھے، جو اپنے نغمہ وسرود سے دلوں کو گرمانے والے، بزم صوفیہ میں رنگ نشاط بھرنے والے، قلوب عارفان کو سرمایۂ انبساط دلانے والے، ارباب فضل وکمال کے وقت پونجی، صاحبان کیف وحال کی مستی کو بڑھانے والے، حضرت شیخ العالمین کی دعا کی تاثیر اور حضرت فرد الاولیاء کے خاص قوال تھے۔

غوثن قوال مرحوم مرض وفات میں مبتلا تھے مجلس میں گانا تو کجا؟ حاضری سے بھی معذور تھے، مگر عرس بست ویکم رمضان میں انہیں شدید خواہش ہوئی کہ حضرت مولائے کائنات کی مجلس میں حاضری ہو، چنانچہ انہوں نے گھر کے لوگوں کو بہ اصرار راضی کیا، انہوں نے ان کو مؤذن والی کوٹھری میں لاکر ڈال دیا، جب مجلس شروع ہوئی، قوالوں نے گانا شروع کیا لیکن سماع کا رنگ پھیکا پڑ رہا تھا، حاضرین بہت کم محظوظ ہو رہے تھے، اس حالت کو غوثن قوال نے محسوس کیا اور ساتھیوں سے کہا: مجھے مجلس میں لے چلو، لوگوں کے منع کرنے کے باوجود بہ ہزار مشکل ان کو مجلس میں لے جاکر حضرت فرد کے قدموں میں ڈال دیا، حضرت فرد کی قدم بوسی کے بعد ان کی طبیعت میں افاقہ ہونے لگا، یہاں تک کہ وہ اپنے پیروں پر چل کر گانے کی جگہ بیٹھے اور دل جمعی کے ساتھ بہت دیر تک گاتے رہے، مجلس کیف وسرور سے بھر گئی، اختتام مجلس کے بعد غوثن قوال بغیر کسی سہارے کے پیدل چل کر گھر گئے اور اس کے دوسرے ہی دن مرض میں شدت پیدا ہوئی اور وہ اسی دن ۲۳؍رمضان المبارک ۱۲۵۳ھ کو انتقال کر گئے۔

غوثن آن جان جملہ قوالان ۞ زین جہان رخت سوی جنت راند
ہاتفم گفت از سر زاری ۞ رفت جان از سرود وقالب ماند

۱۲۴۶   ۷

۷+۱۲۴۶=۱۲۵۳ھ

مراجع ومصادر :

(۱) اعیان وطن: حضرت مولانا حکیم شعیب نیرؔ رضوی پھلواروی

(۲) تاریخ خانوادۂ کریمیہ: پروفیسر ظہیر حسین جعفری

(۳) دیوان حضرت فرد الاولیاء جلد دوم

(۴) ماہنامہ معارف خانقاہ مجیبیہ (مختلف شمارے)

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

گذشتہ سے پیوستہ

تسلسل کے لیے اپریل تا جون ۲۰۲۳ء کا شمارہ ملاحظہ کریں

ایران کا ایک علمی سفر

(۲۶/جون تا ۲۳/جولائی ۲۰۲۲ء)

● ڈاکٹر عارف نوشاہی — ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد، پاکستان

تبریز کا سفر:

مومنی نے (۲ جولائی) علی الصبح چھ بجے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اصفہان کے ہوائی اڈے پر چھوڑ آئے۔ آٹھ بجے تبریز کے لیے پرواز تھی۔ ٹھیک دس بجے میں تبریز اتر گیا۔ تبریز یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر باقر صدری نیا اور پروفیسر ڈاکٹر اسداللہ واحد مجھے لینے آئے ہوئے تھے۔ میں بہت سالوں بعد تبریز آیا ہوں۔ اس سے پہلے ایک دو سفروں میں جو کچھ دیکھا تھا وہ سب بھول چکا ہوں۔ موجودہ سفر کا مقصد ان دو تبریزی دوستوں سے تجدید ملاقات اور تبریز کے بعض تاریخی مقامات دیکھنا تھا۔ میرے دونوں میزبانوں نے پہلے ہی سے میرا پروگرام مرتّب کر دیا تھا۔ میں دانشگاہ تبریز کا مہمان تھا۔ ہوائی اڈے سے سیدھے دانشگاہ تبریز کے مہمان خانے میں آئے۔ میں کاشان، یزد اور اصفہان کے تپتے شہروں سے ہو کر آ رہا تھا، دانشگاہ تبریز اور مہمان خانے کے آس پاس کے ماحول نے مجھے خنکی اور راحت بخشی۔ مہمان خانے سے متصل اٹھارہ ہیکٹر پر پھیلا ہوا یونیورسٹی کا باغ تحقیقاتی گیاہ شناسی (بونیٹک گارڈن) ہے۔ مہمان خانے میں ابھی میرا کمرا تیار ہو رہا تھا، اس دوران میں ہم تینوں باغ میں چلے گئے اور جب تک کمرا تیار ہوتا باغ میں ٹہلتے رہے۔ اس سے خوشگواری کا احساس بڑھا۔ اب کمرا تیار تھا۔ دانشگاہ تبریز کا یہ مہمان خانہ بہت شاندار تھا۔ کمرے میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ باہر کے خنک موسم کی وجہ سے اے سی چلانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ رات کو باہر کوٹ پہن کر نکلنا پڑتا۔ دانشگاہ تبریز کے اعلیٰ انتظامات کا ایک اور مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب ہم دوپہر کے کھانے کے لیے باشگاہ استادان (پروفیسرز کلب) گئے۔ یہ جگہ کسی عالی شان رستوران سے کم نہ تھی اور وہاں کا کھانا اور کھانا پیش کرنے کا طور طریقہ بھی کسی پیشہ ورانہ رستوران سے کم تر نہ تھا۔ یہ ماحول دیکھ کر دل خوش ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد گاڑی

میں بیٹھے بیٹھے ہی پوری یونیورسٹی کا چکر لگایا اور ایک ایک فیکلٹی اور شعبے کے سامنے سے گذرے۔ یونیورسٹی کا مرکزی کیمپس، بہت ہرا بھرا ہے، لیکن آس پاس یا مرکزِ شہر سے ذرا ہٹ کر بھی کچھ جدید عمارتیں اور شعبے ہیں۔ ہم دانشگاہ تبریز کا کتاب خانہ مرکزی دیکھنے گئے تو وہ ایک ویرانے اور پہاڑیوں کے درمیان تھا جہاں ماحولیاتی کشش اور جاذبیت مفقود تھی۔ اور تو اور باہر عمارت پر کتب خانے کا نام تک نہ تھا۔ اندر جا کر کتب خانہ دیکھا تو بہت ہی روکھا پھیکا ماحول پایا۔ دانشگاہ تبریز کے ایک اہم حصے نے قطعاً متاثر نہ کیا۔

معروف شاعر اور صوفی کمال خجندی کا علامتی مقبرہ خجند تاجکستان میں دیکھا تھا لیکن ان کا اصل مقبرہ تبریز میں ہے، جو میں نے تا حال نہیں دیکھا تھا۔ اسے دیکھنے کے لیے ہم لوگ باغ کمال پہنچے۔ وہاں دربان نے بتایا کہ باغ کا دروازہ ڈیڑھ بجے بند ہو جاتا ہے کل آئیے گا۔ چنانچہ اسے کل پر چھوڑ دیا گیا۔

گاؤں حاج عبدال کی ایک یادگار شام :

صدری نیا نے مجھے بتایا کہ ان کے دوستوں میں سے ایک ڈاکٹر رحمان مشتاق مہر ہیں جو تبریز کی دانشگاہ شہید مدنی کے شعبۂ فارسی کے استاد ہیں۔ وہ رہتے تو تبریز میں ہیں لیکن ان کا ایک گھر تبریز سے کوئی بیس پچیس کلومیٹر دور ایک گاؤں حاج عبدال میں بھی ہے جہاں ایک چھوٹا سا باغ ہے۔ وہ آج رات اس گاؤں میں ہیں، اگر میں پسند کروں تو ہم کچھ وقت گذارنے ان کے گاؤں اور باغ میں چلے جائیں؟ میں نے، جو خود ایک روستائی ہوں اور شہروں سے دور دیہاتی ماحول میں رہنا پسند کرتا ہوں، فوراً ہامی بھر لی۔ صدری نیا، واحد اور میں ایک گاڑی میں گاؤں حاج عبدال پہنچے۔ بعد میں تبریز سے کچھ اور دوست بھی آملے۔ ویسے تو یہ گاؤں ہی ہے، لیکن رحمان کا گھر روستائی نہ تھا۔ پیچھے تین پختہ مفروش کمرے، آگے ایک باغ، اوپر کی منزل پر بھی دو کمرے اور چھت بطور صحن۔ باغ میں زیرِ زمین ایک قدرتی سرد خانہ بھی تھا جہاں رحمان مجھے سیڑھیاں اتروا کر نیچے لے گئے۔ وہاں آیندہ دنوں یا مہینوں میں استعمال ہونے والے پھل اور سبزیاں رکھے تھے۔ وہاں کا درجۂ حرارت اتنا کم تھا کہ ریفریجریٹر کی ضرورت نہ تھی۔ ایک کمرے میں نمک اور سوکھی روٹیوں کا ڈھیر لگا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے سردیوں میں جب برف باری ہوتی ہے تو نمک نالیوں کے آگے ڈال دیتے ہیں تا کہ برف پگھل جائے اور پانی بہتا رہے۔ اور یہ پاپڑ؟ یہ بھی سردیوں اور برف کے دنوں میں کام آئیں گے اور ہم بھگو بھگو کر استعمال کریں گے۔ خدا کی شان دیکھیے، کھاتے پیتے ایرانیوں کو بھی تازہ روٹی نصیب نہیں ہے۔ اس معاملے میں ہم 'غریب' پاکستانی کس قدر خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ ہمیں مفروش گھر تو میسر نہیں لیکن گرمی ہو یا سردی، بارش ہو یا دھوپ، تین وقت تازہ روٹی مل جاتی ہے۔

اس گھر میں رحمان اور ان کی اہلیہ ہماری میزبان تھیں۔ پہلے ہی سے باغ کے کنارے میز کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہم کُل چھ مہمان تھے۔ خاتون خانہ کی ہمت کو داد دی کہ مہمانوں کی آمد پر مسلسل پھلوں، مٹھائی اور چائے سے پذیرائی کر رہی تھیں اور ساتھ

ساتھ اکیلے ہی رات کا کھانا بھی تیار کر رہی تھیں۔ان کے ماتھے پر شکن تک نہ پڑی۔جب رات کا کھانا میز پر چُن دیا گیا تو معلوم ہوا خاتون خانہ نے کس قدر محنت اور محبت سے کھانا تیار کیا ہے۔سالاد شوید، آش اور زرشک پلاو۔ہم مہمانوں میں ایک صاحب تھے جن کے ذمے سب کی تصویریں اتارنا تھا۔وہ جب تصویر اتارتے تو موبائل میں پہلے خود دیکھتے، پھر ایک خاص لَے میں اس کی خوبی کی تعریف یوں کرتے: ''بہ بہ، بہ بہ، چہ عکسی''۔سب نے ان کی چھیڑ بنالی اور جب کسی چیز کی تعریف کرنا ہوتی تو اسی لَے میں کہتے: بہ بہ، بہ بہ۔حتیٰ کہ کھانے کی تعریف بھی سب نے اسی انداز میں کی بہ بہ، بہ بہ چہ غذایی۔(ویسے بھی ایرانی تہذیب میں ہے کہ مہمانی میں میزبان خانم کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کی تعریف کرنا ہوتی ہے۔) چوں کہ میزبان اور مہمان سب اہل علم و ادب تھے،سب کی باتوں میں بھی ادبی لطائف وظرائف تھے۔ہاں، ایک بات تھی یہ سب لوگ آپس میں آذری زبان بولتے تھے جو ترکی کے بہت نزدیک ہے۔ان کی پوری بات تو پلے نہ پڑتی لیکن آدھے سے زیادہ الفاظ فارسی ہونے کی وجہ سے مطلب اخذ ہو جاتا۔

جوں جوں رات ہوتی جا رہی تھی، وہاں خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ایران کے باقی گرم علاقوں سے یہاں موسم کا واضح فرق محسوس ہو رہا تھا۔میرا جی چاہتا تھا میں اسی گاؤں میں ایک رات گذاروں۔میزبان نے بھی پیش کش کی کہ میں رُک جاؤں وہ مجھے کل تبریز چھوڑ آئیں گے۔لیکن میں جن میزبانوں کے ساتھ آیا تھا انھیں کے ساتھ واپس تبریز آ گیا۔

باغ کمال اور کمالین کا مقبرہ :

۳ جولائی کو صبح نو بجے صدری نیا اور واحد مہمان خانے آ گئے اور مجھے گاڑی میں سوار کر کے کمال خجندی کا مقبرہ دکھانے باغ کمال میں لے گئے۔کہتے ہیں کہ کمال نے یہ باغ خود ہی لگوایا تھا اور اسی کے احاطے میں دفن ہوئے۔داخلہ دروازے سے داخل ہوں تو سامنے سطح زمین پر سٹوپا نما ایک خشتی گنبد نظر آتا ہے۔قبر زیر زمین ہے، جہاں سیڑھیوں سے اتر کر جانا پڑا۔نیچے دو قبریں ہیں۔مغربی قبر کمال الدین مسعود خجندی کی اور مشرقی قبر معروف مصوّر کمال الدین بہزاد ہراتی کی۔مجھے یاد ہے ۲۰۱۰ء میں جب میں ہرات گیا تھا تو وہاں کے ایک قبرستان میں بھی بہزاد مصور کی قبر دیکھی تھی۔بعض مشاہیر کی قبروں کا عجیب معاملہ ہے اور ایک سے زیادہ مقامات پر ان کا مدفن بتایا جاتا ہے۔

اہل تاجکستان بالخصوص اہل خجند کو کمال خجندی سے خاص عقیدت ہے۔بتایا گیا کہ وہاں سے زیارت کے لیے لوگ یہاں آتے ہیں۔چند سال پہلے حکومتی سطح پر خجند سے ایک وفد آیا اور اپنے ساتھ باغ کمال سے مٹی خجند لے گیا، جسے ایک بوتل میں اس علامتی مقبرے میں رکھا گیا جو خجند میں کمال سے منسوب ہے۔یہاں تبریز میں کمال کے مقبرے پر اس کی 'غریب' ردیف کی ایک ایسی غزل فارسی اور سیریلیک رسم الخط میں بورڈ پر لکھوائی گئی ہے جس میں شاعر نے اپنی غریب الوطنی کا اظہار کیا ہے:

در غریبی جان بہ سختی می دہد مسکین کمال
واغریبی، واغریبی، واغریبا، واغریب

مقبرۃالشعرائے تبریز :

تبریز کا مسافر اگر فارسی کا طالب علم ہے تو اسے علم ہونا چاہیے کہ یہاں قدیم زمانے سے ایک مقبرۃ الشعرا ہے جہاں نامی گرامی شعرا دفن ہیں۔ مجھے مقبرۃ الشعرا دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ چنانچہ میرے میزبان صدری نیا اور واحد مجھے وہاں لے گئے۔ یہ جگہ اب سیر گاہ ہے اور ٹکٹ لے کر اندر جانا پڑتا ہے۔ میں اپنے تئیں یہ گمان کر رہا تھا کہ اندر ایک قبرستان ہوگا۔ قبروں کے نشانات ہوں گے اور ہر قبر پر کتبہ نصب ہوگا۔ لیکن اندر جا کر دیکھا کہ سوائے معاصر شاعر شہریار (سید محمد حسین بہجت تبریزی) کی جدید قبر کے، کسی اور قبر کا نشان نہیں ہے۔ مختلف دیواروں پر شعرا کے سروں کے مجسمے نصب کر کے، ایک بورڈ پر فارسی اور انگریزی میں اس شاعر کے مختصر حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔ بس یہی مقبرے ہیں! مجھے وہاں جن شعرا کے ناموں کے بورڈ نظر آئے وہ یہ ہیں: قطران تبریزی، ذوالفقار شروانی، شاپور نیشابوری، لسانی شیرازی، شکیبی تبریزی، مغربی تبریزی، شمس الدین سجاسی، مانی شیرازی، ظہیرالدین فاریابی، خواجہ ہمام تبریزی۔ لیکن یہاں اور بھی شعرا و فضلا دفن ہیں جن کی تفصیل کتابوں میں مل جاتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ جس جگہ پر جس شاعر کا مجسمہ نصب ہے، عین اسی مقام کے نیچے اس کا مدفن ہے؟ یا مقابر کی موجودہ ترتیب سیاحتی نقطۂ نظر سے بنا دی گئی ہے۔ بس یہ مسلّم ہے کہ کئی شعرا زمین کے اسی قطعے میں دفن ہیں جہاں اب مقبرۃ الشعرا نام سے جدید سیاحتی عمارت بنا دی گئی ہے۔ عمارت سے باہر اطراف میں بھی زیرِ زمین کچھ اور قبریں ہیں۔ محمد عیسی بن محمد حسن الحسنی الفراہانی اور ان کی اہلیہ کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ دونوں ایران کے معروف انشا نگار اور سیاست دان میرزا ابوالقاسم قائم مقام فراہانی کے والدین کی قبریں ہیں۔ ان پر خوب صورت خطِ نستعلیق میں کتبات محمد علی الحسینی القزوینی نامی خطاط اور سنگ ساز کے لکھے ہوئے ہیں۔ مقبرۃ الشعرا کے ایک طرف سید حمزہ بن موسی بن جعفر کا مقبرہ اور مدرسہ ہے۔ ہم اس کے اندر بھی گئے۔

موزہ قاجار :

تبریز کی بلدیہ نے مقبرۃ الشعرا کو موزہ قاجار سے ملانے کے لیے پیدل چلنے کی ایک راہداری بنا دی ہے۔ ہم پیدل چل کر اس عجائب گھر تک پہنچے۔ یہ دراصل ایران کے ایک وزیرِ باتدبیر، سفیر، ادیب، خطاط اور کتاب دوست شخص امیر نظام گروسی (وفات: ۵ رمضان ۱۳۱۷ھ) کا ذاتی مکان تھا جسے اب عجائب گھر بنا دیا گیا ہے۔ جدید ایران کی تعمیر میں اس شخص کا بہت ہاتھ ہے۔ یورپ سے وہ سکّے ڈھالنے والی اور ڈاک ٹکٹ چھاپنے والی مشین لایا۔ ریلوے لائن بچھانے میں مدد کی، کتابیں چھپوائیں۔ اب اس ''خانۂ امیر نظام'' یا عجائب گھر میں قاجاری دور کی اشیا (سکّے، کرنسی نوٹ، برتن، اسلحہ، کتب، فرامین، کتبات) رکھی ہیں۔ خود اس مکان کا فنِ تعمیر بھی شان دار ہے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر رنگین شیشہ کاری نے اس کی خوب صورتی بڑھا دی ہے۔

دانشکدۂ ادبیات کا جلسہ :

موزہ قاجار سے ہم واپس دانشگاہ تبریز آتے ہوئے ایک محلّے ششگلان سے گذرے۔ واحد نے بتایا کہ ناصر خسرو کے سفرنامے میں اس محلّے کا ذکر ہے۔ دانشگاہ تبریز کے دانشکدہ ٔادبیات فارسی وزبان ہاے خارجی میں ساڑھے گیارہ بجے ایک جلسہ ''آثار خطی تبریزیان در پاکستان'' عنوان سے رکھا گیا تھا۔ جس میں میں نے پاکستان میں تبریزی مصنفین کی تصانیف کے قلمی نسخوں کے بارے میں سامعین کو بتایا۔ میں نے دانشکدے کے کتب خانے کو مقالات عارف جلد سوم اور ہفت بند کے نسخے پیش کیے۔

ائل گلی پارک :

دانشگاہ تہران میں طالب علمی کے دور میں ہم طالب علموں کو تبریز لایا گیا تھا اور تبریز کا ائل گلی پارک دکھایا گیا تھا۔ یہ کوئی تیس سال پہلے کی بات ہے۔ اس پارک کی خوب صورتی کا نقش اب تک ذہن پر قائم تھا۔ میں نے میزبانوں سے یہ پارک دوبارہ دیکھنے کی فرمائش کی۔ صدری نیا اور واحد مجھے غروب آفتاب کے وقت وہاں لے گئے جو پارک دیکھنے کا بہترین وقت ہے۔ ائل گلی ترکی آذری زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے عوامی جھیل۔ اس لیے کہ اس پارک کے وسط میں بہت بڑی جھیل ہے اور جھیل کے بیچوں بیچ آٹھ کونوں پر مشتمل ایک شاہی عمارت نے اسے مزید خوب صورت بنا دیا ہے جہاں اب کیفے اور رستوران کھل گیا ہے۔ یہ پارک قاجاری دور میں شہزادوں کی سیر گاہ تھا۔ پارک کا رقبہ بہت وسیع ہے اور اس میں طرح طرح کی تفریحات کا سامان ہے۔ زیادہ ہجوم اسی جھیل کے کنارے پر تھا۔ پارک کے نیچے سڑک پر ہمیں ایک رستوران مل گیا جس کا ماحول ایسا تھا کہ گویا جنگل میں بنا ہوا ہے۔ درختوں کے درمیان ہی تختے لگائے گئے تھے، جہاں بیٹھ کر ہم نے رات کا کھانا کھایا۔ اس رستوران کی میرے لیے خاص بات یہ تھی کہ تنور سے گرما گرم روٹی اسی وقت پک کر سامنے آ گئی۔ ہمارے ساتھ والے تختوں پر شادی کی تقریب ہو رہی تھی۔ دلہا دلہن بنے سنورے بیٹھے تھے اور دف بجانے والوں اور گانا گانے والوں کی ایک منڈلی اہل تقریب کا دل لبھا رہی تھی۔

کتاب خانۂ مرکزی (ملّی) تبریز :

۴ جولائی کو صدری نیا، واحد اور طاہری خسرو شاہی مجھے تبریز کے کتاب خانۂ ملّی لے گئے جو اب کتاب خانۂ مرکزی کہلاتا ہے۔ مجھے اس کے شعبۂ مخطوطات سے دل چسپی تھی۔ پہلے مخطوطات کی نمائش دیکھی جہاں قدیم اور مذہب ومطلّا نسخے رکھے گئے ہیں۔ قانون ابن سینا کا ایک نسخہ مکتوبہ ۶۲۴ھ، معروف خطاط اظہر تبریزی کا نوشتہ ۸۳۶ھ دیوان مراثی میرزا بایسنغر، نظام الملک طوسی کی سیر الملوک کا نسخہ مکتوبہ ۶۷۳ھ، رسائل نصیر الدین طوسی مکتوبہ ۶۷۰ھ اس نمائش کا حصے تھے۔ پھر وہ کمرا کھولا گیا جہاں مخطوطات بہت عمدہ طریقے سے رکھے گئے ہیں۔ الماریاں ایک خاص ہینڈل گھمانے سے کھل جاتی اور سمٹ جاتی ہیں۔ الماریوں میں مخطوطے اتنے سلیقے اور صفائی سے رکھے گئے تھے کہ دیکھ دیکھ کر رشک آتا کہ کاش ہمارے ہاں سرکاری ذخائر

مخطوطات کی حالت بھی یہی ہو۔ شعبۂ مخطوطات دیکھنے کے بعد گول میز جلسہ ہوا جس میں شعبۂ مخطوطات کے کارکنان، فہرست نویس کے علاوہ کتب خانے کے مدیر بھی شریک ہوئے۔ پہلے مجھے دستانے پہنائے گئے اور کتب خانے کے خاص خاص مخطوطات لا کر دکھائے گئے۔ ان میں تقریباً بارہ سو سال پرانا انجیل رسولاں کا نسخہ بزبان سریانی تھا۔ ویٹی کن کے مذہبی نمایندے تبریز آ کر یہ نسخہ دیکھ چکے ہیں اور اس کی صحت اور قدامت پر صاد کر چکے ہیں۔ رشید الدین فضل اللہ نے جو ربع قائم کی تھی اس کا قدیم وقف نامہ بھی بخط مصنف دیکھا جو اب کتابی صورت میں ہے۔ صائب کا ایک دیوان یہ کہہ کر دکھایا گیا کہ بخط صائب ہے۔ بخط صائب اب اتنے دیوان صائب منظر عام پر آچکے ہیں کہ معاملہ مشکوک ہو چلا ہے۔ امیر علی شیر نوائی کے کلیات نظم و نثر کا ایک اعلیٰ نسخہ بھی یہاں دیکھا جس کے ابتدائی اوراق پر نیلی اور طلائی تذہیب تھی۔

میں نے کتب خانے کے مخطوطات کی فہرست طلب کی جو دو جلدوں میں ہے۔ اس میں رشحات عین الحیات کے دو نسخے نظر آئے۔ میں نے منگوا کر دیکھے۔ یہ اگر چہ متاخر تھے لیکن ایک نسخے کی اہمیت یہ تھی کہ اس کے آخر میں مولانا خالد نقشبندی کُردی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر ہے اور دوسرے نسخے کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ ہندوستان سے تبریز منتقل ہوا ہے۔ اس کے ظَہر پر یہ اردو شعر سرخ روشنائی سے لکھا ہے:

حجرہ میں مجرا کریں اور چت میں چوکھی دیں
نوکر خواجہ معین الدین کے گھر بیٹھیں حق لیں

میری درخواست پر ان دونوں نسخوں کی عکسی نقل ایک سی ڈی پر ڈال کر مجھے دے دی گئی۔ میں ارباب کتب خانہ کی اس فراخ دلی پر بہت ممنون ہوا۔ اس کتب خانے کے بیشتر مخطوطات تبریز کے دو نخجوانی بھائیوں (حاج محمد، حاج حسین آقا) کے فراہم کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو آسودہ رکھے جنھوں نے یہ گرانمایہ سرمایہ قوم کے لیے وقف کر دیا۔

شمس کے شہر خوی کا سفر:

اس روز ہماری اصل منزل خوی تھی جہاں مجھے شمس تبریزی کی قبر دیکھنا تھی۔ تبریز ایران کے صوبے آذربایجان شرقی میں واقع ہے جب کہ خوی آذربایجان غربی میں۔ درمیانی فاصلہ کوئی ۱۶۰ کلو میٹر ہے۔ خوی اس شاہراہ پر واقع ہے جو آگے ایران ترکی سرحد کو چلی جاتی ہے۔ ایک معاصر ایرانی محقق اور مورّخ مرحوم زریاب خوئی کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا جن کے ساتھ مجھے بنیاد دائرۃ المعارف اسلامی تہران میں کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ ایران کے باقی بیابانی اور خشک راستوں کی نسبت، تبریز سے خوی کا راستہ ہرا بھرا تھا۔ خوی شہر میں داخل ہونے سے پہلے سڑک کے دونوں اطراف سورج مکھی کے کھیتوں کا ایک طویل سلسلہ دیکھا۔

خوی کی بلدیہ ہماری میزبان تھی۔ ہم اسی کے دفتر میں پہنچے جو ۱۳۱۲ شمسی (۱۹۳۳ء) کی ایک قدیم تاریخی عمارت میں واقع ہے۔ ہمارے میزبان ہمیں کسی رستوران میں لے جا کر کھانا کھلانے کی فکر میں تھے کہ اچانک شورائے اسلامی شہر خوی

کے ایک رکن، جو ''حجت الاسلامی'' لباس میں ملبوس تھے، آدھمکے اور فرمایا: نماز اوّل وقت میں پڑھ لینی چاہیے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ ہم میں سے کوئی ایک بھی اس وقت نماز کی فکر میں نہ تھا، فوراً اسی عمارت کے نماز خانے کو چل پڑے اور سب نے ان حجت الاسلام کی امامت میں نماز ظہرین پڑھی۔ اس کے بعد وہ مولوی صاحب 'صوفی' رستوران تک ہمارے ساتھ آئے، کھانا کھایا اور کھانا کھا کر کہنے لگے مجھے کسی میّت کا ختم بھی پڑھنا ہے والسلام۔ یہ جا، وہ جا۔

میں تو شمس کا مزار دیکھنے خوی آیا تھا لیکن مجھے بتایا گیا کہ پہلوان پوریا ولی کا مقبرہ بھی اسی شہر میں ہے۔ مجھے یہ سن کر کچھ اچنبھا ہوا۔ کیوں کہ میں ۲۰۱۹ میں ازبکستان کے شہر خیوہ میں بھی پوریا ولی کا مقبرہ دیکھ چکا ہوں اور اس کے بارے میں ازبکستان کے سفرنامے میں لکھ چکا ہوں۔ خیوہ کے مقابلے میں خوی میں پوریا ولی کا مقبرہ بالکل سادہ ہے۔ کتبے پر ''آرامگاہ پہلوان پوریا ولی، فوت ۷۲۲'' کندہ ہے۔ مقبرے کے داخلی دروازے پر بھی مُہر نما پتھر پر جلی نستعلیق میں ''پوریای ولی'' لکھا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تاریخ کی کتابوں میں خیوہ اور خوی لکھنے میں گڑبڑ ہوگئی ہے!

اب ہم شمس تبریزی کے مزار پر پہنچے جو قدیم محلے میں ہے۔ شمس کا مزار بھی دو جگہ پر ہے۔ ایک قونیہ میں اور دوسرا یہاں۔ مقابر کی دوگانگی میں گویا خوی شہر کو امتیاز حاصل ہے۔ شمس کے مزار کے احاطے میں ایک قدیم منار کھڑا ہے۔ اس منار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بیرونی دیوار پر اوپر سے نیچے تک جا بجا جنگلی بکروں کے سینگ نصب ہیں۔ کہا جاتا ہے یہ وہ بکرے ہیں جو شاہ اسماعیل صفوی نے شکار کیے تھے اور اپنی مردانگی اور بہادری کی نمائش کے لیے ان کے سر یہاں ٹانک دیئے۔ صحن میں ایک ہی قبر ہے جس پر نیلے پتھر پر جلی نستعلیق میں سفید تحریر ہے:

شمس الدین محمد بن علی بن

ملک داد تبریزی

شمس تبریزی

شمس تبریزی کہ نور مطلق است

آفتاب است وز انوار حق است

یہاں بھی ویسے ہی مُہر نما پتھر پر ''شمس تبریزی'' کندہ ہے جیسا پوریا ولی کے مقبرے پر ہے۔ چونکہ ظہر کا وقت اور دھوپ تھی، مزار پر ہمارے علاوہ کوئی اور زائر نہ دیکھا۔ جب ہم وہاں سے باہر نکلے تو تین زائر داخل ہوئے۔ خوی اور قونیہ میں شمس کے مزارات کا بنیادی فرق یہی ہے کہ قونیہ والوں نے شمس کی قبر کو ایک ولی اللہ کی زیارتگاہ کا درجہ دے رکھا ہے اور لوگ اسی نقطۂ نظر سے وہاں آتے ہیں۔ خوی میں وہ محض ''آرامگاہ'' ہے۔ ویسے بھی ایرانیوں کا ایسی تاریخی، ادبی اور عرفانی شخصیات کی قبروں پر جانے اور دیکھنے کا اپنا طریقہ ہے۔ یہ لوگ فاتحہ خوانی نہیں کرتے۔ بس قبر دیکھ لی یا زیادہ سے زیادہ قبر کے ایک

کونے پر ہاتھ لگا کر کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔صرف امام اور امام زادوں کی قبروں پر دعاے زیارت پڑھی جاتی ہے۔

بلدیہ خوی کا جلسہ :

خوی کی بلدیہ نے نیا کانفرنس ہال تعمیر کروایا ہے۔اس کا افتتاح مثنوی خوانی کے خاص جلسے سے ہوا جس میں میں نے بطور مہمان ''مثنوی مولوی در شبہ قارہ'' موضوع پر تقریر کی۔ڈاکٹر محمد باقر محسنی نے مثنوی کے اشعار پڑھے اور شرح کی۔لوگ اس جلسے میں کافی ذوق وشوق سے آئے تھے۔جلسہ ابھی جاری تھا کہ ہم نے اجازت لی اور تبریز واپسی کا راستہ اختیار کیا۔

تبریز سے خوی جاتے ہوئے سڑک پر شبستر کا بورڈ نظر آیا تھا جو ہمارے راستے سے ذرا ہٹ کر تھا۔اگر چہ پہلے ایک دفعہ شبستر جا چکا ہوں اور شیخ محمود شبستری کا مزار دیکھ چکا ہوں لیکن اب جب یہاں تک آچکے تھے تو دوبارہ جانے کی خواہش ہوئی۔طاہری گاڑی چلا رہے تھے۔کہنے لگے خوی سے واپسی پر جائیں گے۔اب جب واپسی پر اس مقام سے گذرے تو غروب آفتاب کا وقت تھا۔فون کر کے معلوم ہوا کہ شیخ کے مزار کا دروازہ اب بند ہو چکا ہے۔رات گیارہ بجے میں واپس تبریز پہنچ گیا۔

تہران واپسی :

۵؍جولائی کو بذریعہ ہوائی جہاز تبریز سے تہران جانا تھا۔ہواپیمائی آتا (ATAAirline) کی پرواز کا وقت صبح آٹھ بجے تھا لیکن کمپنی نے کل ہی اطلاع دی تھی کہ اب یہ پرواز قبل از وقت، صبح ساڑھے پانچ بجے جائے گی۔پروازوں میں تاخیر تو دیکھی ہے لیکن وقت مقررہ سے اڑھائی گھنٹے قبل پرواز اڑالینا پہلی دفعہ دیکھا۔ہوائی اڈے پر چھوڑنے کے لیے بے چارے واحد کو صبح چار بجے مجھے لینا پڑا۔میں سات بجے تہران کے مہر آباد ہوائی اڈے پر اتر گیا اور ولنجک پہنچ گیا۔

ہندوستانی اساتذہ کی جماعت :

جب میں گذشتہ ہفتے ولنجک کے مہمان خانے سے کاشان کو روانہ ہوا تھا تو یہاں اور کوئی نہیں تھا اور میں اپنے اپارٹمنٹ میں تنہا تھا۔آج جب اپنے اپارٹمنٹ میں قدم رکھا تو شور وغل اور چہل پہل تھی۔ایک صاحب نے لپک کر میرے ساتھ معانقہ کیا، دوسرے صاحب نے بھی گرمجوشی سے ہاتھ پکڑا۔ہر چند شکلیں اور لہجہ ہندوستانی تھا لیکن میں ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتا تھا۔معانقہ کرنے والے صاحب نے اپنا تعارف ذوالنورین حیدر علوی کہہ کر کروایا تو مجھے یاد آیا یہ نوجوان کاکوری شریف سے نکلنے والے رسالے 'تصفیہ' کے مدیر اعلیٰ ہیں۔یہ رسالہ میرے پاس آتا ہے اور ہم غائبانہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔یہ کل آٹھ اساتذہ کی جماعت تھی جو ایران فارسی کی باز آموزی کے لیے آئے ہوئے تھے۔باقی لوگوں کے نام یہ ہیں:

ڈاکٹر معصوم رضا، شعبہ فارسی خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی، لکھنو

ڈاکٹر ملک سلیم جاوید، شعبہ فارسی ذاکر حسین کالج، دہلی

ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی، شعبہ علوم مشرقیہ، لکھنو یونیورسٹی

ڈاکٹر فوزیہ وحید، علی گڑھ

ڈاکٹر ابو محمد حلیم اختر، شعبہ فارسی، تلکا مانجھی بھاگل پور، بہار یونیورسٹی

محمد قیصر، شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

خانم تسنیم کوثر لکھنو یونیورسٹی

تقی علی عابدی اتنے بزرگ ہو چکے ہیں کہ پہچانے نہ گئے حالانکہ ان سے کئی سال پہلے تہران ہی میں ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے مجھے فن زراعت پر تدوین کردہ رسالہ نخلبندی بھی دیا تھا۔ اس بار انھوں نے پھر اپنی دو تین کتابیں دیں جو علم الاعداد پر تھیں۔ فوزیہ وحید کو میں غائبانہ طور پر جانتا تھا۔ انھوں نے مجموعہ لطایف وسفینۂ ظرایف پر کام کر کے چھاپا ہے۔

ڈاکٹر زہیر طیب سے ملاقات :

میں کچھ سالوں سے سماجی رابطوں کے ذریعے سے ایک صاحب زہیر طیب سے آشنا ہوا۔ پہلے تو سمجھا یہ تُرک ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ایرانی ہیں لیکن ترکی زیادہ آنا جانا رہتا ہے۔ انھی سماجی ذرایع سے معلوم ہوا کہ زہیر صاحب کو مخطوطات سے خاص شغف ہے۔ انھوں نے ایک ادارہ ''تراث اسلامی'' اور ایک ''انجمن علمی تحقیق و تصحیح نسخہ ہای خطی ایران'' قائم کیا ہے جو مخطوطات سے متعلق ایک رسالہ ''نسخہ شناسی و تصحیح متون'' بھی شائع کرتا ہے۔ نیز انھوں نے ایک مجازی صندوق بنا رکھا ہے جس میں اب تک سات ملین (ستر لاکھ) مخطوطات کے عکس جمع ہو چکے ہیں۔ ان کا ارادہ اسے ایک کروڑ تک پہنچانے کا ہے۔ وہ خود بھی مخطوطات تدوین کرتے ہیں اور دوسروں سے کرواتے ہیں اور اپنے ادارے تراث اسلامی/ دار التراث کی طرف سے شائع کرتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جس کا محور مخطوطات ہو، مجھے طبعی طور پر اس سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ میں نے سفر ایران کے دوران ان کو ملاقات کے لیے پیغام بھجوا دیا تھا، چنانچہ طے ہوا کہ جونہی میں تبریز سے تہران پہنچوں گا ان سے ملاقات کروں گا۔ انہوں نے گاڑی کا بندوبست کر دیا۔ خیابان میر عماد پر ان کا دفتر ہے۔ میں وہاں پہنچا۔ میں ان کی علمی سرگرمیوں سے تو کم وبیش آگاہ تھا، انہوں نے مزید بتایا کہ وہ لوگوں کو قرض الحسنہ بھی دیتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ لوگوں نے قرض نہ لوٹایا ہو۔ زہیر صاحب نے اپنے ادارے کی مطبوعات دکھائیں۔ ان میں برصغیر کے مصنفین کی کتب بھی تھیں جیسے عبد اللطیف عباسی گجراتی کی نسخہ ناسخۂ مثنوی، اسے زہیر صاحب نے خود تدوین کیا ہے، ضیاء الدین نخشبی کا دیوان جوارح (چہل ناموس)، نوازش علی خان لاہوری کی جامع الفوائد۔ جو کتابیں میری دل چسپی کی تھیں وہ زہیر صاحب نے مجھے تحفۃً دے دیں۔ اسی دوران انھوں نے اپنے ادارے کے ایک اور رکن ڈاکٹر علی محمد موذنی کو بھی بلا لیا جنھوں نے نخشبی کی چہل ناموس مرتب کی ہے۔ یہ صاحب کئی سال پہلے کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں مدعو پروفیسر کے طور پر کام کر چکے ہیں۔ اب تک ٹوٹی پھوٹی اردو کے جملے یاد رکھے ہیں۔

ہم نے دوپہر کا کھانا ایک ساتھ کھایا اور تراث اسلامی کے دفتر میں مفید وقت گذار کر اپنے ٹھکانے ولنجک پہنچ گیا۔

سید حسن عباس سے ستائیس سال بعد ملاقات :

مجھے آج ۶ / جولائی ۲۰۲۲ء کو اُس گھڑی کا انتظار تھا جب اپریل ۱۹۹۵ء میں تہران میں بچھڑے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر سید حسن عباس سے اسی شہر میں دوبارہ ملاقات ہونے والی تھی۔ میں نے ان کے رہنے کا انتظام اپنے ساتھ ہی کیا تھا۔ میں صبح کے وقت جاگو میٹی میں تھا کہ باہر راہداری میں قدموں کی چاپ اور باتوں کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔ میں حیرت سے تکنے لگا کہ سامنے حسن عباس اور ان کی بیگم صاحبہ کھڑی ہیں۔ حیرت اس لیے تھی کہ عمارت کے سب دروازے بند تھے، دربان سویا ہوا تھا، میں ساتویں منزل پر تھا، فون پر کوئی رابطہ بھی نہ تھا، یہ لوگ عین میرے کمرے کے دروازے تک کیسے پہنچ گئے؟ لیکن اب حیرت سے زیادہ مسرّت کا مقام تھا کہ ۲۷ سال کے بعد اس جوڑے سے روبرو ملاقات ہوئی۔

دوبارہ موقوفات دکتر محمود افشار :

چند روز پہلے میں نے موقوفات افشار میں اپنے کام نمٹا لیے تھے اب حسن عباس کو ساتھ لے کر وہاں گیا۔ ان کی تین کتابیں اس ادارے سے پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ احوال و آثار میر غلام علی آزاد بلگرامی اور قند پارسی (ڈاکٹر نذیر احمد کے فارسی مقالات مرتبہ حسن عباس) کی دو جلدیں۔ اب حسن عباس قند پارسی کی تیسری جلد چھپوانا چاہتے تھے۔ نیز برّصغیر کے اہم فارسی محققین کے فارسی ادب سے متعلق اردو مقالات کا فارسی ترجمہ بھی کر رکھا ہے، اسے بھی چھپوانا چاہتے ہیں۔ افشین وفائی نے سب تجاویز سے اتفاق کیا۔

فرہنگستان زبان و ادب فارسی میں :

ڈاکٹر محمد رضا نصیری ولنجک آئے اور مجھے اور حسن عباس کو اپنے ساتھ فرہنگستان لے گئے۔ وہاں پرانے دوستوں اور ہمکاروں سے ملاقات ہوئی۔ وہیں دوپہر کے کھانے پر توفیق سبحانی اور کریم نجفی برزگر سے ملاقات ہوئی۔

مناقب غوثیہ کی ایران میں تدوین :

حسن عباس فرہنگستان سے سیدھے شاہ عبد العظیم کی زیارت کے لیے رَے چلے گئے۔ میں ولنجک آگیا۔ وہاں میری ملاقات فرخندہ غفاری سے طے تھی جنھوں نے صادق شہابی گجراتی کی کتاب مناقب غوثیہ پر کام کیا ہے۔ ان سے غایبانہ تعارف تھا اور کام کے دوران انھیں کچھ مواد فراہم کیا تھا۔ میں ان کے لیے پاکستان سے تحفۃ القادریہ مرتّبہ ڈاکٹر اختر چیمہ کی تازہ اشاعت کا ایک نسخہ لے گیا تھا۔ وہ انھیں دیا۔ انھیں مناقب غوثیہ شائع کرنے کا مشورہ دیا۔ کہنے لگیں کچھ کام باقی ہے، طبیعت بند رہتی ہے اور کام کی طرف رغبت نہیں ہوتی کوئی وظیفہ بتائیں! میں نے تحفۃ القادریہ کے پہلے ورق پر انھیں یہ وظیفہ لکھ دیا: الٰہی خیر گردانی، بحق شاہ جیلانی۔ غفاری کے ساتھ ان کی دوست آمنہ بیدگلی تھیں، کہنے لگیں انھیں بھی وظیفہ چاہیے۔ میں نے کہا یہی آپ کے لیے بھی کفایت کرے گا۔

قُم کا سفر :

حسن عباس اور ان کی بیگم صاحبہ کا قصد قم جا کر حضرت معصومہ کے روضے کی زیارت کرنا تھا۔ میں خود بھی قم جانا چاہتا تھا کہ وہاں میرے کئی علمی احباب رہتے ہیں۔ میں نے پاکستان سے چلتے وقت قم میں سید محمد صادق اشکوری کو اپنی قم آنے کی خواہش بتا دی تھی۔ انھوں نے سارے انتظامات کر دیئے۔ ۷ جولائی کو حسن عباس، ان کی بیگم صاحبہ اور میں ایک کار کرائے پر لے کر قم پہنچے۔ اشکوری صاحب ہتل بین المللی قم میں ہمارے منتظر تھے جہاں ہمیں ٹھہرایا گیا۔ ہمارے ہوٹل کے متصل تاریخی مدرسہ فیضیہ ہے جہاں کچھ عرصہ امام خمینی بھی تدریس کرتے رہے۔ یہ مدرسہ اور ان کا حجرہ دیکھا۔ مدرسے سے متصل مسجد اعظم کا کتب خانہ ہے جس کا نام بدل کر اب کتابخانہ آیت اللہ بروجردی رکھ دیا گیا ہے۔ کتب خانے کے کتابدار حسن رجبیان نے استقبال کیا۔ یہ مدرسہ فیضیہ کے کتب خانے کے بھی کتابدار ہیں۔ بہت بھلے آدمی ہیں۔ ہوٹل میں ہمارے قیام کا بندوبست انہوں نے ہی کیا تھا اور اخراجات بھی خود ہی ادا کیے۔ کتب خانہ بروجردی میں حسن عباس اور میرے لیے ایک نشست کا اہتمام تھا۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے ممالک میں مخطوطات کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ کتاب خانے کی طرف سے فہرست نویسوں کی یادداشتوں پر مبنی ریکارڈنگ کا سلسلہ بھی شروع ہے۔ آج کی نشست میں مجھ سے سوال کر کے میری یادداشتیں ریکارڈ کی گئیں۔ مسجد اعظم کا کتب خانہ اپنے مخطوطات کے باعث معروف ہے۔ میں نے رشحات عین الحیات کے نسخوں کے بارے میں دریافت کیا تو ایک متاخر نسخہ وہاں موجود پایا۔ منتظمین نے میری درخواست پر فوراً اس کا عکس سی ڈی پر مہیا کر دیا۔ کتب خانے میں اُن لوگوں کی تصاویر ناموں کے ساتھ آویزاں تھیں جنھوں نے اس کتب خانے کو کتابیں عطیہ کی ہیں۔ یہ ایک طویل دیوار تھی۔ انھی میں میں نے پہلی بار خان بابا مشار کی تصویر دیکھی جو فرنگی لباس اور سر پر ہیٹ پہنے تھے۔ خان بابا مشار وہ ہیں جنھوں نے عربی فارسی مطبوعہ کتابوں اور مصنفین کی فہرست کئی جلدوں میں مرتّب کی تھی اور میں نے انھی کے راستے پر چلتے ہوئے برّصغیر میں مطبوعہ فارسی کتابوں کی فہرست تیار کی۔ کتب خانہ آیت اللہ بروجردی کا انتظام و انصرام، نظافت و نفاست دیکھ کر رشک آتا تھا۔ یہاں قم میں ایسے کئی نجی کتب خانے ہیں۔

رات کو صادق اشکوری صاحب نے اپنے ادارے مجمع ذخائر اسلامی (قائم شدہ ۱۹۷۶ء) میں ہماری دعوت کی اور قم کے اہل علم کو بھی بلا لیا۔ صادق صاحب کے دوسرے بھائی جعفر اشکوری بھی موجود تھے۔ اگرچہ دونوں بھائیوں کا علمی ذوق ایک جیسا ہے لیکن لباس کے معاملے میں دونوں مختلف واقع ہوئے ہیں۔ صادق مکمل حجت الاسلامی لباس میں تھے اور جعفر ٹی شرٹ اور جین میں۔ دونوں کے والد سید احمد حسینی اشکوری تو مجسم حجت الاسلام ہیں۔ میں نے شرارتاً دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ کھڑا کر کے تصویر بنا لی تا کہ تہذیب اپنانے کا فرق نظر آئے۔ اُس رات دعوت میں ڈاکٹر رسول جعفریان، علی صدرائی خوئی، محمد ماہیار اور چند افغان نوجوان بھی موجود تھے۔ نشست فرشی تھی اور کھانا بھی فرشی۔ دونوں بھائیوں نے بڑی تواضع سے خود اپنے ہاتھ سے سالن برتنوں میں ڈال کر مہمانوں میں تقسیم کیا۔ علما کی جماعت کے ساتھ، فرشی دسترخوان پر ایک سادہ سا کھانا کھانے کا جو لطف لیا وہ کسی اعلیٰ رستوران کے عمدہ فرنیچر پر بیٹھ کر محسوس نہ ہوا۔

علی صدرائی سے میں غایبانہ واقف تھا۔انھوں نے کتب خانہ مرعشی میں موجود برصغیر کی مطبوعہ عربی فارسی کتابوں کی فہرست ۱۶ جلدوں میں تیار کی ہے۔قم میں زیادہ تر حضرات ''حجۃ الاسلامی'' لباس میں نظر آتے ہیں۔صدرائی بھی (میرے گمان کے برعکس) اسی لباس میں تھے، لیکن مولویانہ یبوست کی بجائے، بہت زندہ دل اور خوش گفتار آدمی نکلے۔مجھ سے ''نوشاہی'' کی وجہ تسمیہ پوچھی۔جعفریان نے ٹوکا کیا اس کا وقت ضائع کرتے ہو کسی کتاب سے معلوم کر لینا۔صدرائی نے برجستہ کہا جب خود نوشاہی موجود ہے تو کتاب سے کیوں معلوم کروں! انھوں نے اور بھی کئی سوال کیے اور میں نے جواب دیے۔میں نے کہا اب سوال کرنے کی میری باری ہے۔جعفریان کہنے لگے متعہ کے بارے میں نہ پوچھنا باقی جو مرضی ہے پوچھو۔میں نے کہا متعہ نہیں بلکہ فقہ جعفری میں نماز جمعہ کے وجوب کے بارے میں پوچھنا ہے۔جعفریان صاحب نے کئی شرایط بتائیں لیکن صدرائی صاحب نے سو باتوں کی ایک بات کی۔کہنے لگے قرآن مجید میں ہے جب تمہیں جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر (نماز) کی طرف دوڑو۔لہٰذا اس میں شرایط کہاں ہیں؟ اس قسم کی باتوں کے بعد حافظ اور بیدل خوانی ہوئی اور ماحول دین سے ادب کی طرف منتقل ہو گیا۔

اشکوری صاحب کے ادارے نے برصغیر سے متعلق کئی کتب شائع کی ہیں۔سب کا شمار یہاں مشکل ہے۔ابھی تازہ ترین اشاعت عبداللطیف عباسی کی نسخہ ناسخۂ مثنوی کی ہے۔یہ آستان قدس رضوی مشہد کے نسخہ مکتوبہ ۱۰۵۳ھ کا ہو بہو عکس ہے۔اشکوری صاحب نے مجھے اور حسن عباس صاحب کو اپنے ادارے سے شائع کردہ کئی کتابیں تحفے میں دیں۔بلکہ بعض کو اس خیال سے چھوڑنا پڑا کہ اٹھا کر پاکستان کیسے لے جاؤں گا؟

قم میں دوسرا دن :

۸/ جولائی کی صبح رجبیان ہمارے ہوٹل آ گئے اور مجھے اور حسن عباس کو ساتھ لے کر پہلے مزار شیخان پہنچے جہاں ائمہ کے اصحاب، محدثین، علما اور شہدا کی قبریں ہیں، لیکن سب زمین کی ہم سطح اور ان پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔لوگ انھی کتبوں کے اوپر چلتے جا رہے تھے۔ایک قبر پر ''زکریا بن ادریس الاشعری ابوجریر القمی از محدثان نامدار شیعہ در قرن دوم ھ ق از اصحاب امام جعفر صادق امام کاظم و امام رضا'' کا کتبہ تھا۔دوسری قبر آدم بن اسحاق اشعری قمی استاد محدثان در عصر امام ہادی کی تھی۔اس صحن میں نمایاں مقبرہ میرزائے قمی کا ہے۔

اسی کے بالمقابل آستان قدس معصومہ عجائب گھر دیکھا۔جس میں دیگر اشیا کے علاوہ قرآن مجید کے قلمی نسخے بھی تھے۔پھر ہم حضرت معصومہ کے روضے کی طرف گئے۔روضے سے باہر جو صحن ہے اس میں معروف شاعرہ پروین اعتصامی اور ایران کے نامور مذہبی سیاسی رہنما شیخ فضل اللہ نوری کے الگ الگ مقبرے ہیں۔شیخ نوری مشروطیت کے مخالف اور اسلامی قوانین کے حق میں تھے۔انھیں ۱۳ رجب ۱۳۲۷ھ کو حکومت وقت نے پھانسی دے دی تھی۔یہ دونوں مقبرے اگرچہ بند پڑے تھے لیکن ان کی جالی سے جھانک کر قبریں دیکھ لیں۔حضرت معصومہ کے روضے کے اطراف میں کئی شیعہ علما دفن ہیں۔آیت اللہ مصباح یزدی، آیت اللہ مرتضی

مطہری، آیت اللہ منتظری، سید محمد حسین طباطبائی، آیت اللہ عبد الکریم موسوی اردبیلی اور آیت اللہ حسین طباطبائی بروجردی کی قبریں دیکھیں۔

رجبیان مدرسہ فیضیہ کے کتابدار بھی ہیں۔ آج جمعہ (۸ جولائی) ہونے کی وجہ سے مدرسہ اور کتب خانہ بند تھا لیکن کتب خانے کی چابیاں انھی کے پاس تھیں۔ ہمیں کتب خانہ دکھانے کے لیے تیسری منزل پر لے گئے۔ کتب خانہ کھولا۔ کچھ مخطوطے نمائش میں رکھے تھے جیسے روض الجنان و روح الجنان ابوالفتوح رازی، دیوان عطار کتابت قرن ہفتم، کتاب الاحکام فی مسایل الحلال والحرام حسن بن یوسف علی بن مطہر حلّی کے حین حیات کا نسخہ۔ رجبیان نے اپنے کچھ ذاتی مخطوطات بھی دکھائے۔ ایک مخطوطے کے سرورق پر لکھا تھا: ’’منتخب دیوان سلیم ہندی‘‘ دراصل اس سے مراد سلیم تہرانی ہے۔ امیر نظام گروسی کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے کچھ خطوط بھی دیکھے جن کا گھر ابھی ابھی تبریز میں دیکھ کر آیا ہوں۔ رجبیان نے بتایا کہ انھیں مادہ تاریخ گوئی سے بھی دل چسپی ہے۔ میں نے اسی موضوع پر اپنی مرتبہ کتاب اعجاز التواریخ کا ذکر کیا تو اسے حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ پاکستان پہنچ کر اس کی پی ڈی ایف فایل انھیں بھیج دی۔

حسن عباس تو واپس ہوٹل آ گئے لیکن میں رجبیان کے ساتھ رسول جعفریان کا کتابخانہ تخصصی تاریخ اسلام و ایران دیکھنے چلا گیا۔ یہاں کوئی ڈیڑھ لاکھ کتابیں ہیں۔ انھوں نے مجھے میر جلال محدث اُرموی کا ذاتی ذخیرہ کتب بھی دکھایا جو اب کتابخانہ تخصصی نے حاصل کر لیا ہے۔ جعفریان کے دفتر میں محمد علی مہدوی راد بھی ملے جو قم سے شائع ہونے والے نقد کتاب پر معروف رسالے ’آینہ پژوہش‘ کے ایڈیٹر ہیں۔ یہ رسالہ ۱۹۹۰ سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور اب تک اس کے ۱۹۲ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ دینی اور ادبی موضوعات پر بہت جاندار تبصرے شائع کرتا ہے اور ایران میں اسے اعتبار حاصل ہے۔ راقم السطور کے لکھے ہوئے کچھ تبصرے بھی اس میں شائع ہو چکے ہیں۔ کل رات جعفریان سے مذہب جعفری میں نماز جمعہ کے وجوب پر بات ہو رہی تھی آج انھوں نے صفوی دور میں نماز جمعہ پر لکھے جانے والے شیعہ علما کے رسائل کا ایک مجموعہ مجھے دیا جو خود انھوں نے ہی مرتب کیا ہے۔

ہم نے ایک کار کرائے پر لی اور عصر تک قم سے واپس تہران پہنچ گئے۔

کتاب خانۂ ملّی ایران میں داخلہ ممنوع :

میں پاکستان سے اپنی تازہ مطبوعات ساتھ لایا تھا کہ ایران کے کتابخانۂ ملّی میں جمع کرا دوں گا۔ ۹ جولائی کو حسن عباس صاحب کو ساتھ لیا کہ یہ نیک کام مل کر انجام دیں اور انھیں ایران کا شاندار کتاب خانۂ ملی بھی دکھا دوں۔ ایک روز قبل وہاں اپنے دوست علی اوجبی کو بتا دیا تھا کہ ہم لوگ کل کتب خانہ آئیں گے۔ ہم ٹیکسی لے کر کتابخانۂ ملّی پہنچے تو دروازے پر مامور پاسبان نے روک کر پوچھا کس سے ملنا ہے؟ اوجبی کا نام لیا۔ اس نے انٹر کام پر اوجبی سے رابطہ کیا لیکن اُدھر سے کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے کتب خانے کے ایک اور کارکن اور اپنے دوست محمد حسین حکیم کا نام لیا۔ پاسبان نے اسے فون کیا اور ہدایت کی کہ کتب خانے کے مرکزی دفتر حراست (سیکورٹی دفتر) سے پہلے اجازت لی جائے۔ حکیم نے کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ خود اندر سے باہر ہمارے

پاس دروازے تک آگئے اور معذرت کی کہ حراست والے کہتے ہیں ایک روز قبل مہمانوں کے کوائف دفتر میں لکھوائے جانے چاہیے تھے، چونکہ ایسا نہیں ہوا وہ اندر جانے کی اجازت نہیں دے رہے۔ کتب خانے کے بالکل سامنے ہی باغ کتاب ہے۔ حکیم کہنے لگے ہم وہاں جا کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ہم تینوں کتابوں سمیت وہاں آگئے۔ باغ کتاب ایک بہت بڑا ہال ہے جس میں کتابوں کی دکانیں، کیفے، بچوں کی دل چسپی کے سامان وغیرہ مہیا ہیں۔ لوگ وہاں آکر بیٹھتے ہیں، کتابیں پڑھتے ہیں، کتابیں خریدتے ہیں۔ ایک بہت اچھا ماحول شہریوں کو فراہم کیا گیا ہے۔ ہم بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے حکیم برابر فون پر کتابخانہ ملّی میں کسی سے رابطے میں تھے کہ کسی طرح اندر جانے کی اجازت مل جائے۔ پندرہ بیس منٹ بعد انھیں فون آیا کہ ہم لوگ کتب خانے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ہم باغ کتاب سے اٹھ کر کتب خانے کی طرف چلے گئے۔ ایک بار پھر دروازے پر ماموراسی پاسبان کے دفتر تک پہنچے۔ وہاں عمامے والے ایک صاحب نے ہمیں خوش آمدید کہا اور اپنا تعارف کتب خانے کے ڈائریکٹر کے مشیر کے طور پر کروایا اور ہمیں ساتھ لے کر کتب خانے میں داخل ہو گئے۔ لفٹ سے اوپر ایک منزل پر پہنچے۔ ابھی ہم راہداری ہی میں تھے کہ پیچھے سے وہی پاسبان دوڑا دوڑا آیا اور مشیر سے کہا کہ دفتر حراست والے کہتے ہیں ان سے اجازت نہیں لی گئی لہذا آپ مہمانوں کو اندر نہیں لے جاسکتے، واپس آجائیں۔ یہ بڑی عجیب صورت حال بن گئی تھی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے ہم واپس چلے جاتے ہیں، لیکن جب یہاں تک آگئے ہیں تو مجھے اکبر ثبوت صاحب سے ملوا دیجیے۔ پاسبان نے کہا آپ انھیں راہداری میں مل سکتے ہیں ان کے کمرے تک نہیں جاسکتے۔ ثبوت صاحب کو، جو اس پوری صورت حال سے ناواقف تھے، چپل پہنے اسی حالت میں کمرے سے اٹھ کر راہداری میں آگئے۔ وہ مجھے وہاں دیکھ کر حیران ہوئے۔ حکیم نے انھیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ چونکہ اب وہاں کھڑے رہنا بھی کتب خانے کی سیکورٹی کے قوانین کے خلاف تھا، اس لیے ہم ایک بار پھر باغ کتاب چلے آئے۔ اب ہمارے ساتھ ثبوت صاحب اور وہ مشیر بھی تھے۔ ہم سے زیادہ، ہمارے میزبان اس صورت حال سے سخت شرمندہ تھے اور بار بار معذرت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے جب سے نئے ڈائریکٹر آئے ہیں اس طرح کے نئے نئے مشکل ساز انتظامات ہو رہے ہیں۔ خیر، ہم کچھ دیر باغ کتاب میں بیٹھے، آئس کریم کھائی، ثبوت صاحب بہت انہماک سے وہ کتابیں دیکھتے رہے جو میں کتب خانے کے لیے لایا تھا، اتنی دیر میں علی اوجبی بھی آگئے اور معذرت کی کہ یہ ان کی غلطی تھی کہ کل جب میں نے بتا دیا تھا کہ ہم لوگ کتب خانے آئیں گے تو وہ دفتر حراست سے اجازت لے لیتے۔ میں نے کتابیں حکیم کے حوالے کیں اور وہاں سے رخصت ہو کر فرہنگستان زبان و ادب فارسی آگئے۔ حکیم ہماری دل جوئی کے لیے پیدل چل کر فرہنگستان تک ہمارے ساتھ آئے جو قریب ہی واقع ہے۔ کچھ روز بعد حکیم نے مجھے پیغام بھیجا کہ اس واقعہ کی اطلاع کتاب خانہ ملّی کے ڈائریکٹر علی رضا مختار پور کو ہو چکی ہے۔ یہ سب جان کر انھیں بہت افسوس ہوا ہے۔ وہ اس کی تلافی کرنا چاہتے ہیں اور اب ہمیں رسمی طور پر کتاب خانہ ملی آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ میں نے حسن عباس سے مشورہ کیا تو انھوں نے جانے سے منع کر دیا۔ ہمارا بنیادی مقصد وہاں کتابیں فراہم کرنا تھا وہ حکیم کے ذریعے پورا ہو گیا۔ اگر چہ یہ عمل ناخوشگواری سے ہوا —— (جاری)

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

قند پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

جرس نواخت وہم رجز ساریاں برخیز ۞ کہ محمل آمد وائے گام کارواں برخیز
بہ گفتمش کہ تو با جام ارغواں برخیز ۞ مرا بگفت کہ امروز سرگراں برخیز
زچہرہ پردہ برانداز واز نہاں برخیز ۞ کہ جلوہ ریز وجمالت نماعیاں برخیز
بروں ز پردہ شداں آفتاب عالمتاب ۞ کجا است ذرۂ آں خاک آستاں برخیز
متاع چوں من بے برگ وبےنوائی را ۞ تو نیست اے سروسامان عاشقاں برخیز
فتادگان رہت برامید بازویت ۞ مدد ز لطف خود اے شاہ کارواں برخیز
بسوخت جان تن زار من بفرقت وغم ۞ کرم بحال من اے ماہ ومہرباں برخیز
دلم بغمزہ فدایت سرم بہ تیغ ادا ۞ بصید جان من اے جان جانستاں برخیز
تکلف است کہ تیرا ز کمال کشد کہ رہد ۞ ترا ہمیں کہ تو با تیر بے کماں برخیز
چہ سود شرح غم وسوز ودرد ہجر ترا ۞ گزار قصہ ز پارینہ داستاں برخیز
دلم ہمیشہ بیادت تو دلربائے من است ۞ گر انتخاب نخواہی بامتحاں برخیز
گزار ہستی خود او چو درمیاں آمد ۞ مبیں بر بخویشتنت خود ز درمیاں برخیز
بباریابی دربار رخصتم چو نداد ۞ غبار دشت جنونم بہ آستاں برخیز
تو درس عشق بگیر و بیا بہ میخانہ ۞ بنوش بادۂ واز فکر دوجہاں برخیز
خطائے فہم بعالم ہمیشہ فتنہ نمود ۞ تو اے حریف بداندیش وبدگماں برخیز

صبا سبق دہ زاں سرو راست وخم آندم ✿ کہ سجدہ ریز چنیں سرو قد چناں برخیز
صلاے عام نمود از ہجوم مشتاقاں ✿ تو رہ مزن ز در یار پاسباں برخیز
چو خاک من شدہ پیوند خاک گلزارش ✿ تو بوے خاک من از خاک بوستاں برخیز
الٰہی عقد زباں راز قمریاں بکشا ✿ زنغمہ اش بہ گلستاں بہر زماں برخیز
خجستہ پا کہ بسویم خرام ناز نمود ✿ غبار خاک مزارم تو زاں نشاں برخیز
شمیم طرۂ او ہر طرف وزید چناں ✿ کہ گل بہار چمن خندہ زو خزاں برخیز
بقصد صید تو می جویدت نگاہ او ✿ تو مرغ جان من اکنوں ز آشیاں برخیز
تو در تدارک تقصیر سر بعجز منہ ✿ صلاح نیک کہ اے ننگ خانداں برخیز
تراست بادۂ وساقی ومیکشاں ثاقبؔ ✿ برو بہ میکدہ از کنج زاہداں برخیز

خوشا نصیب کہ می جویدت بہ پیش چمن
کجا است ثاقبؔ طوطی تر زباں برخیز

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً 2730/08(Upto Dec.2022) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec.2022 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۲ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۳ء کا زرتعاون باقی ہے۔

براہ کرم پہلی فرصت میں اپنی خریداری فیس ادارہ ''المجیب'' کو ارسال کرکے اپنے ممبرشپ کو جاری رکھیں، رقم بھیجنے کے بعد رسید ضرور حاصل کریں اور رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھیں

—(سرکولیشن منیجر)

QR

WhatsApp, PhonePe & GPay : +91-7250433562

نعت شریف

- حضرت کرسی نشین ولایت مولانا سید شاہ فقیہ محمد ابوالحسن فردؔ پھلواروی قدس سرہ
- ترجمۂ منظوم : مولانا محمد عاصم قادری ـــــ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

نعت شریف

عالم چہ شود ہمسر و ہمتائے محمد ﷺ
نور است ہمہ نور سراپائے محمد ﷺ
نبود بسرم جز سر و سودائے محمد ﷺ
مائیم و دل ما و تمنائے محمد ﷺ
ہم قدر بزلفش چہ بود شب کہ شب قدر
یک سایہ بود از شب اسرائے محمد ﷺ
پروائے خود و فکر جہانش نبود ہیچ
ہر کس کہ شود عاشق و شیدائے محمد ﷺ
سازند ملک سجدہ گہش از سر عزت
جائے کہ بود نقش کف پائے محمد ﷺ
عرش است زمینے ز پے ناز خرامش
طوبیٰ است غلام قد زیبائے محمد ﷺ
چون جلوۂ نور ازلی ہست وجودش

ترجمۂ منظوم (نعت شریف)

عالم ہو کہاں ہمسر و ہمتائے محمد ﷺ
ہے نور ہی پر نور سراپائے محمد ﷺ
سر میں ہے مرے ایک ہی سودائے محمد ﷺ
میں ہوں، میرا دل اور تمنائے محمد ﷺ
گیسو کے برابر ہو کہاں شب؟ کہ شب قدر
اک سایہ ہے وہ بھی شب اسرائے محمد ﷺ
پروا ہے نہ اپنی، نہ جہاں کی بھی کچھ
اس کو جو شخص کہ ہو عاشق و شیدائے محمد ﷺ
عزت سے بناتے ہیں ملک سجدہ گہ اس کو
جس جا پہ بھی ہو نقش کفِ پائے محمد ﷺ
ہے عرش بریں ان کے لئے سیر گہِ ناز
طوبیٰ ہے غلام قد زیبائے محمد ﷺ
جب جلوۂ نور ازلی ان کی ہے ہستی

بے سایہ بود قامت رعنائے محمد ﷺ
دانیم ز قرب شب معراج کہ لاریب
از حیطۂ امکان است برون جائے محمد ﷺ
آن کسوت جلوہ کہ شدہ پردۂ اطلاق
شد راست بران قامت بالائے محمد ﷺ
در قند و نبات و شکر این لطف حلاوت
باشد ز شکر ریزی لبہائے محمد ﷺ
از شربت عیسے نرود تشنگئ من
خو کردہ ام از لعل شکر خائے محمد ﷺ
زنجیر برائے من آشفتہ نباید
دیوانہ ام از زلف دلارائے محمد ﷺ
باشد نگہش غیرت صد جوش بہارے
چشمے کہ گہے دیدہ تماشائے محمد ﷺ
روئے من آشفتہ و خاک در او باد
چشم من حیران و تماشائے محمد ﷺ
اے فرد بہ از ملک جم و تخت سلیماں است
باشم چو سگ درگہ والائے محمد ﷺ

بے سایہ ہے تب قامت بالائے محمد ﷺ
قربِ شب معراج سمجھتا ہوں میں لاریب
ہے حیطۂ امکاں سے بروں جائے محمد ﷺ
وہ کسوت جلوہ کہ جو ہے پردۂ اطلاق
انسب ہے اسے قامت بالائے محمد ﷺ
جو قند و نبات اور شکر میں ہے حلاوت
ہے لطف شکر ریزئ لبہائے محمد ﷺ
کم ہوں گی نہیں شربت عیسی سے پیاسیں
پینے کی ہے خو لعل شکر خائے محمد ﷺ
زنجیر مرے واسطے درکار نہیں ہے
دیوانہ ہوں با زلف دلارائے محمد ﷺ
ہے چشم وہی غیرت صد جوش بہاراں
جس چشم نے دیکھا ہو تماشائے محمد ﷺ
چہرہ ہو مجھ آشفتہ کا اور خاک در ان کی
آنکھیں ہوں مری دنگ و تماشائے محمد ﷺ
ہے ملک جم و تخت سلیماں سے یہ بہتر
ہوں فرد سگ درگہ والائے محمد ﷺ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مبارک باشد

برموقع ربیع الاول شریف درہنگام عرس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

● محمد آیت اللہ قادری پھلواروی

برتو ایں شوکت شاہانہ مبارک باشد ۞ دو جہاں آپ کا دیوانہ مبارک باشد
مستی بادہ و مئے، چنگ و رباب و مطرب ۞ ساقیا! تجھ کو یہ مئے خانہ مبارک باشد
ساغر و جام و سبو کی مجھے کچھ فکر نہیں ۞ مجھ کو بس نرگس مستانہ مبارک باشد
تو سلامت رہے، جاری ترا فیضان رہے ۞ یہ در و بام یہ کاشانہ مبارک باشد
زلف ساقی کی کشش سے رہے میخانہ مدام ۞ ساقیا! مستیٔ خمخانہ مبارک باشد

میکشوں کا ہے ہجوم آپ کے صدقے ساقی
تجھ سے آبادیٔ ویرانہ مبارک باشد

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ ’المجیب‘، میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں ـــــ (ادارہ)

آہ! ڈاکٹر امام اعظم آہ!

● شکیل سہسرامی، پٹنہ

آنکھ نم ہے شکیلؔ عالم کی ۞ موت واقع ہوئی ہے اعظم کی
ہائے کیا شخصیت تھی اعظم کی ۞ ہر طرف کیفیت ہے ماتم کی
ہر کسی کو شکیلؔ حیرت ہے ۞ بند سانسیں ہیں چشم پرنم کی
منہ پہ تالا لگا ہوا ہے شکیلؔ ۞ چپ زبانیں ہیں اشک پیہم کی
دل دعا گو ہے مستقل اپنا ۞ مغفرت ہو شکیلؔ ہمدم کی
دل کو ہوتا نہیں یقین ذرا ۞ ہے خبر جو امام اعظم کی
ہیں نگاہوں کے سامنے اب بھی ۞ ان کی ہر بات ان کے کالم کی

آنکھ نم ہے شکیلؔ عالم کی
موت واقع ہوئی ہے اعظم کی

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ۞ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی .... کچھ دوسروں کی

متعدد ریاستوں کے انتخابات :

ابھی نومبر ۲۰۲۳ء میں راجستھان، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ اور تلنگانہ میں صوبائی انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں بی جے پی، کانگریس کے علاوہ مختلف پارٹیاں میدان میں تھیں لیکن اصل مقابلہ بی جے پی اور کانگریس میں تھا۔ اس انتخاب کو ۲۰۲۴ء میں ہونے والے مرکزی حکومت کے انتخاب کا نمونہ سمجھا جارہا تھا۔ حسب معمول بی جے پی نے ہر جگہ ہندو کارڈ کھیلا، مسلمانوں کے خلاف بیانات دیئے۔ کانگریس کو ہندو دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس کے مقابلہ میں کانگریس نے بھی بی جے پی کی حقیقت عوام کے سامنے پیش کی۔ مگر ایک بڑی غلطی کانگریس نے یہ کی کہ انڈیا اتحاد قائم ہوجانے کے بعد بھی اتحاد میں شامل دوسری پارٹیوں سے صحیح تال میل نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تین صوبوں راجستھان، مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ میں بی جے پی کی حکومت اکثریت میں آگئی، صرف ایک صوبہ تلنگانہ میں کانگریس کو اکثریت ملی۔ یہ بی جے پی کی نفرت کی پالیسی اور کانگریس کے دوسری پارٹیوں کو اپنے ساتھ شامل نہ کرنے کا شرمناک نتیجہ ہے۔ کانگریس کو اس کی طرف توجہ دینی چاہئے، ورنہ ۲۰۲۴ء کے انتخاب میں بھی ایسا ہی ہوا تو فرقہ پرستوں اور نفرت کے پجاریوں کا ہندو راشٹر کا خواب پورا ہوجائے گا اور سیکولر پارٹیاں آپس میں لڑتی رہ جائیں گی۔

دارالعلوم مجیبیہ میں سالانہ امتحان اور تعطیل کلاں :

دارالعلوم مجیبیہ کا سالانہ امتحان ۲ر تا ۱۱ر شعبان المعظم منعقد ہوگا، حسب معمول حفظ و ناظرہ اور فارسی وعربی کے تمام درجات

کے امتحانات تحریری وتقریری لئے جائیں گے، اس کے بعد دارالعلوم مجیبیہ رمضان المبارک کی طویل چھٹی میں ۱۱رشوال المکرم تک بند کر دیا جائے گا، مقامی طلبہ کے لئے درس وتدریس کا سلسلہ ۱۹ررمضان المبارک تک جاری رہے گا۔ ۱۲رتا۲۵ رشوال المکرم سبھی جماعتوں میں داخلہ لیا جائے گا اور ۲۶رشوال المکرم سے تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الاخری :

۱۹رجمادی الاخری عرس صاحب المقام الاویسیہ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیاء قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹رتاریخ کو نماز عصر کے بعد قل ہوتا ہے۔

۲۰رجمادی الاخری عرس بانیٔ خانقاہ و دارالعلوم مجیبیہ حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹ردن گزار کر شب ۲۰راور روز ۲۰رکو قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رجب المرجب :

۶ررجب کو فاتحہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ — بعد نماز عصر قل ہوتا ہے۔

رجب کی ستائیسویں شب میں معراج کی مناسبت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک ہوتا ہے اور شب میں چراغاں ہوتا ہے۔ خانقاہ اور آستانہ اس رات شب معراج کی یاد میں چراغوں سے بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔ بعد نماز عشاء قل اور بعدہٗ محفل سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ شعبان المعظم :

۲۶رشعبان کو حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے وصال کی تاریخ میں فاتحہ اور بعد نماز عصر میلاد شریف ہوتا ہے۔ حضرت کا عرس ان کے والد ماجد کے عرس کے ساتھ ۲۹رجمادی الاولیٰ کو ہوتا ہے۔

۲۹رشعبان کو شب ۲۹راور روز ۲۹رحضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب انجام دی جاتی ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی دونئی پیش کش

خانوادۂ مجیبی کے بزرگ عالم دین، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات، اسلامی ادب کے ترجمان
حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہم وگراں مایہ تصنیف

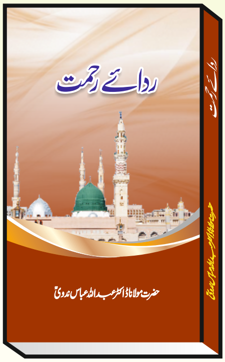

ردائے رحمت

قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کی اردو میں شرح وترجمانی

قیمت مجلد: -/250 غیر مجلد: -/200 روپے

دوسری اشاعت اور

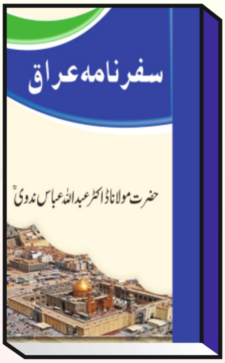

سفرنامۂ عراق

حضرت مصنف کی خودنوشت روداد

قیمت: -/50 روپے

پہلی بار عمدہ کاغذ اور خوبصورت طباعت کے ساتھ

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

دونوں کتابوں پر جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے گراں قدر تقدیمات شامل ہیں۔

خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کر کے استفادہ کر سکتے ہیں۔

رابطہ: +91-7250433562, 7903953313

ISSN 2320-8600 The ALMUJEEB Quarterly
Vol.No. :63 October, November & December 2023 Sl.No. : 04
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Cell : +91-7250433562, 7903953313, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ چند اہم مطبوعات

مذکورہ کتابیں حاصل کرنے کے لئے ان نمبرات: +91-7250433562, 7903953313 پر رابطہ کریں۔

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)